Regd. No. LW/NP 36 Phone: 42946 49717

TAMEER-E-HAYAT
FORTNIGHTLY
Nadwatul-ulama Lucknow-226007 (India)

آپ حضرات کے علم میں ہے کہ دار العلوم ندوۃ العلماء عالم اسلام کا ایک بڑا علمی ودینی مرکز ہے جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کی سرپرستی میں بفضلہ تعالیٰ اہم دینی وعلمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ بیرونی ممالک، افریقہ، ملیشیا، تھائی لینڈ، یوگنڈا، عمان، انڈونیشیا، تبت وغیرہ کے طلبہ بھی زیر تعلیم ہیں۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کی خوبصورت وعالیشان مسجد ابھی چند سال قبل توسیع کے مرحلہ سے گذر چکی ہے، جس میں اہل خیر حضرات نے دل کھول کر حصہ لیا تھا لیکن چند ہی برسوں میں طلبہ کی تعداد بڑھ جانے نیز جمعہ وعیدین میں قرب وجوار کے نمازیوں کی آمد کے سبب مسجد پھر بہت تنگ ہونے لگی، اکثر شامیانہ لگانا پڑتا ہے۔ باہر سے آئے ہوئے معزز مہمانوں نے بھی اس تنگی کو محسوس کر کے توسیع کی طرف متوجہ کیا مگر اس ہوش رُبا گرانی کے زمانہ میں اتنے بڑے کام کا شروع کرنا آسان نہ تھا تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے بھروسہ پر بروز جمعہ ۲ رجب ۱۴۰۱ھ مطابق ۸ رمئی ۱۹۸۱ء بوقت اشراق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دامت برکاتہم کے ہاتھوں اس مبارک کام کا آغاز کر دیا گیا۔ اللہ کے فضل وکرم سے توقع ہے کہ اپنے گھر کی توسیع کے مراحل آسان فرمائے گا، موجودہ گرانی کے دور میں یقیناً یہ ایک اہم اور بڑا کام ہے، جس کے مصارف کا تخمینہ پانچ لاکھ سے کچھ زائد ہے۔

زیر تعمیر اضافہ انشاء اللہ تین منزلہ ہوگا اور مسجد کے مسقف حصہ کے بقدر انشاء اللہ توسیع ہو کر نمازیوں کیلئے دوگنی گنجائش نکل آئے گی۔

دار العلوم کی مسجد کی تعمیر عام مسلمانوں کے تعاون سے ہی ہوئی تھی جس میں خواتین نے بھی ہمت اور حوصلہ سے حصہ لیا تھا، امید ہے کہ اہل خیر حضرات اس مبارک کام میں فراخدلی کے ساتھ حصہ لیں گے۔

"مَنْ بَنٰی لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ" (جس نے اللہ (کی عبادت) کے لئے مسجد بنائی اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا)۔

(جناب) مصباح الدین	(مولانا) معین اللہ صاحب ندوی	(مولانا) محب اللہ صاحب ندوی
(معتمد مال)	(نائب ناظم ندوۃ العلماء)	(مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء)

نوٹ: منی آرڈر، چیک اور ڈرافٹ بھیجنے کا پتہ: ناظم ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس ۹۳، ندوہ، لکھنؤ

لکھنؤ
تعمیر حیات
پندرہ روزہ

نفسانیت سب سے بڑا المیہ

تاریخ اسلام کا سب سے بڑا المیہ نفسانیت کا وہ کھیل ہے جو ہمیشہ اپنا تماشا دکھاتا رہا، ہم نے کبھی اپنے دشمنوں سے شکست نہیں کھائی تاریخ عالم اور تاریخ اسلام پر نظر رکھنے والے کی یہ بات سن لیجئے اور اس کو دلوں اور دماغوں میں امانت رکھ لیجئے کہ ہم نے کبھی اپنے دشمنوں سے شکست نہیں کھائی ہے، ہم نے اپنے اندرونی اختلافات سے شکست کھائی ہے۔ اسی نفسانیت کی بدولت ہم نے سلطنتیں کھوئی ہیں، ہمارے ملکوں کے چراغ گل ہوئے ہیں اور اسلام پورے پورے ملکوں سے خارج کر دیا گیا ہے۔

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

۱۰ و ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۱ء سالانہ چندہ: ۲۰ روپے اس شمارے کی قیمت: ڈیڑھ روپے

لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۸ | ۱۰ و ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۱ء — ۹ و ۲۴ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ | شمارہ نمبر ۲۳-۲۴

زرِ تعاون

اندرون ملک ———— بیس روپے

فی پرچہ ———— ایک روپیہ

بیرون ملک بحری ڈاک، بحری ممالک ۵ پونڈ

ہوائی ڈاک

ایشیائی ممالک ———— ۷ پونڈ

افریقی ممالک ———— ۸ پونڈ

یورپ و امریکہ ———— ۱۰ پونڈ

اداریہ

یادگارِ ابراہیمی

واذ قال ابراهيم رب انى اسكنت من ذريتى بواد غير ذى زرع عند بيتك المحرم ربنا ليقيموا الصلاة فاجعل افئدة من الناس تهوى اليهم وارزقهم من الثمرات لعلهم يشكرون ٥

عیدالاضحیٰ کا موقع خدا کے حضور میں بندے کی کامیاب محبت و فدائیت کی ایک نشانی اور یادگار ہے جو مکہ مکرمہ میں بصورت شعائرِ حج اور دوسری جگہوں میں بصورت دوگانہ و قربانی منائی جاتی ہے۔ اس یاد کی بنیاد اس فدائیت، قربانی اور نفس کشی پر ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں ایک حیرت انگیز مثال کے طور پر ملتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ تین افراد سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک خود وہ دوسرے ان کی اہلیہ حضرت ہاجرہ، تیسرے ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان تینوں کے حالات کی مشترک جھلکیاں حج کے شعائر میں ملتی ہیں۔

وفا و فدائیت کی یہ مثال جو ان تینوں افراد باپ، بیٹے اور ماں نے قائم کی ایسی جاوداں مثال بنی کہ آج پونے چار ہزار سال ہوئے لیکن اس کی نقل جاری ہے اور قیامت تک اس کو جاری رہنا ہے۔ جو مسلمان حج کے لئے جاتے ہیں وہ اس مثال کی تقلید تفصیلی طور پر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے اندر جو روح کام کر رہی ہے اس کی نقل جو بہتر سے بہتر ہو سکتی ہے اس کو ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جو مسلمان حج کو نہیں جا سکتے وہ اس مثال کو یاد کرتے ہیں، نماز دوگانہ ادا کرتے ہیں اور حسب استطاعت قربانی بھی پیش کرتے ہیں۔

عیدالاضحیٰ میں جانور کی قربانی کوئی رسم اور روایتی فعل نہیں کہ جانور ذبح کیا، کھایا کھلایا اور تفریح ہو گئی۔ نہیں یہ دراصل دل کی چاہ کی، نفس کی اور مال کی قربانی کا فعل ہے، اسی لئے عیدالاضحیٰ میں جانور کی قربانی کے عمل میں اس بات کی طرف بہت توجہ دلائی گئی ہے کہ قربانی ایسی ہو کہ واقعی قربانی محسوس بھی ہو، جانور کو خدمت و پرورش سے تیار کرنا یا تنومند و قیمتی جانور کو حاصل کرے تاکہ قربانی کا احساس پیدا ہو، ورنہ مرتے ہوئے جانور یا کمزور و لاغر جانور کی قربانی کچھ محسوس ہونے والی یا طبیعت پر اثر ڈالنے والی قربانی نہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے "استمنوا ضحایاکم فانها على الصراط مطایاکم"۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کے جانوروں کو تنومند بناؤ قیامت کے روز پل صراط کو بخیریت عبور کرنے میں اسی کے بقدر سہولت ہوگی۔

اسی کے ساتھ ساتھ قرآن کی یہ وضاحت بھی قابل توجہ ہے کہ "لن ينال الله لحومها ولا دماءها ولكن يناله التقوى منكم" کہ یہ قربانی سے حاصل ہونے والا گوشت اور اس سے بہنے والا خون خدا کے پاس نہیں جاتا بلکہ تمہارے دلوں کے اندر اس سلسلہ میں جو ڈر و لحاظ ہے وہ جاتا ہے۔ اس سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ محض اپنے سر کا بوجھ اتارنے کے لئے یا نام و نمود کے لئے یا صرف اپنی رغبت کے لئے کی جانے والی قربانی کی قیمت اللہ تعالیٰ کے یہاں کچھ نہیں ہے۔

نام و نمود اور دل کی رغبت کے لئے کیجانے والی قربانی وہ قربانی ہو بھی کب سکتی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی نقل سے تعلق رکھتی ہو وہ قربانی پروردگار کی خوشنودی کے حصول کے لئے اور تعمیل حکم میں تھی اور جان کی قربانی تھی کہ ایک انسان کے دل کو اس سے زیادہ کوئی جان عزیز نہیں ہوتی یعنی باپ کے ہاتھوں محبوب بیٹے کی قربانی اور وہ بھی اپنے کسی خیال مفروضہ یا ذاتی رائے سے نہیں بلکہ واضح حکم ملنے پر محض تعمیل میں۔ باپ بھی کون وہ جس کی اپنے اہل و عیال سے محبت اپنی مثال آپ تھی جس کو پروردگار عالم نے اپنی کتاب میں اوّاہ حلیم سے موصوف کیا ہے (بےچین ہو جانے والے اور نرم طبیعت) لیکن اس بےچین ہو جانے والے اور نرم طبیعت انسان کو حکم ملا کہ جاؤ اپنی محبوب بیوی کو جس کے بطن سے ان کی اس وقت تک کی واحد اور خوردسال اولاد تھی، اس خوردسال بچے کے ساتھ غیر آباد اور بےآب و گیاہ علاقہ میں چھوڑ آؤ۔ بیوی نے سوال کیا یہاں آپ ہم کو کس پر چھوڑے جا رہے ہیں؟ فرمایا اللہ پر۔ انہوں نے کہا تو وہ ہم کو ضائع نہ کرے گا، اس خشک جگہ پر بچہ پیاسا اور بےچین ہوتا ہے ماں دیکھ کر تڑپ جاتی ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ادھر ادھر نظر ڈالتی ہے، اپنے دونوں طرف کی پہاڑیوں پر بار بار چڑھتی اترتی ہے، دیکھتی ہے کہیں پانی کا نشان ملتے نظر نہیں آتا لیکن اللہ تعالیٰ جس پر ان کے شوہر نے اپنے اعتماد ایمانی جذبہ کے ساتھ ان کو چھوڑا تھا اور وہ اسی پر راضی و مطیع ثابت ہوئی تھیں اور وہ انہا کے لئے زمزم کے چشمے کی صورت میں پانی پیدا فرما دیتا ہے اور اس طرح بچہ اور ماں کی جان محفوظ ہو جاتی ہے۔ ایمانی طاقت سے بھرپور اسی ماں کا یہ عمل ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاوداں ہو جاتا ہے، چنانچہ حاجی کے لئے صفا و مروہ پر جانا اور انکے درمیان بار بار آنا جانا اور دعا کرنا واجب ہے۔ ابراہیم علیہ السلام سال بسال آتے اور اطمینان کرتے کہ عزیز بیوی اور لخت جگر بچہ محفوظ ہیں۔ خوش ہوتے۔ بچہ بڑا ہوتا ہے ہونہار، شکیل و وجیہ سعادت شعار نیک ثابت ہوتا ہے، باپ کے دل میں سماتا چلا

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپکی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی۔ کا سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ Rs. 23/25 کے مطابق میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

کتاب و سنت سے

شرم و حیا

مولانا سید عبد الحی

آیات:

فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ۔ (سورۂ قصص آیت ۲۵)

(تھوڑی دیر کے بعد) ان میں سے ایک عورت جو شرماتی اور لجاتی چلی آتی تھی موسیٰ کے پاس آئی۔

إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ۔ (سورۂ احزاب آیت ۵۳)

یہ بات پیغمبر کو ایذا دیتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتے ہیں (اور کہتے نہیں ہیں) لیکن خدا سچی بات کے کہنے سے شرم نہیں کرتا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو شرمیلے ہونے پر نصیحت کر رہا تھا (کہ اتنا شرم کیوں کرتے ہو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو شرم تو جزء ایمان ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ نے فرمایا، شرم سے خیر و فائدہ ہی حاصل ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں (راوی کو شک ہوا) یا آپ نے یہ فرمایا کہ ایمان کی ۶۳ سے زائد شاخیں ہیں، ان میں سب سے افضل کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" ہے اور کم سے کم درجہ تکلیف دہ چیز کا راستہ سے ہٹا دینا ہے اور شرم و حیا ایمان کا ایک جزء ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حیا جزء ایمان ہے اور ایمان موجب جنت ہے اور فحش گوئی نیکی اور صلہ رحمی سے دور کرتی ہے اور نیکی اور صلہ رحمی کی دوری جہنم لیجاتی ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شرم کرنا اور باتیں کم کرنا، ایمان کی دو شاخیں ہیں اور فحش باتیں کرنا اور زیادہ بولنا نفاق کی دو شاخیں ہیں۔ (ترمذی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ نے فرمایا، بےحیائی جس چیز میں بھی پائی جاتی ہے اس کو عیب دار بنا دیتی ہے، اور حیا جس چیز میں بھی پائی جاتی ہے اس کو سنوار دیتی ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت زید بن طلحہ بن رکانہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دین کا کوئی امتیازی وصف و شعار ہوتا ہے اسلام کا امتیازی وصف شرم و حیا ہے۔ (رواہ مالک)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ باحیا تھے، اگر آپ کسی ناپسندیدہ چیز کو دیکھتے تو ہم آپ کے چہرے کے رنگ سے پہچان جاتے کہ آپ اس کو ناپسند فرما رہے ہیں۔ (متفق علیہ)

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگوں کو نبوت کی سب سے پہلی بات جو پہنچی وہ یہ کہ اگر تم میں شرم نہ ہو تو جو چاہو کرو (یعنی جو انسان بےحیا ہوتا ہے اس کو برے سے برا کام کرنے میں بھی باک نہیں ہوتا)۔ (بخاری)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اللہ تعالیٰ سے شرم کرو جیسا کہ اس سے شرم کرنے کا حق ہے، ابن مسعود کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی یقیناً ہم شرم کرتے ہیں اور اس (نعمت حیا) پر اللہ کے شکر گزار ہیں، آپ نے فرمایا یہ نہیں! بلکہ ایسی حیا جو اللہ کے شایان شان ہے کہ سر اور سر میں جو افکار و خیالات پیدا ہوتے ہیں سب کی نگہداشت رکھو! اور پیٹ اور پیٹ میں جو بھرا ہے ان سب کی نگرانی کرو! اور موت، اور موت کے بعد قبر میں جسم کا جو حال ہوگا (یعنی سڑنا گلنا) اس کو یاد کرو! اور جو آخرت کا طالب ہوتا ہے وہ دنیا کی زیب و زینت کو خیرباد کہہ دیتا ہے، جس نے یہ سب کر لیا اس نے اللہ تعالیٰ سے کما حقہٗ شرم کیا۔ (ترمذی)

بقیہ ص: ۱۵

مالی حالت کیسی ہے، لیکن چہرے انکے نشاندہی کر دیتے ہیں، وہ خدا کی راہ میں لگے ہوئے ہیں، روزی، روٹی کے لئے یہاں وہاں ہاتھ پیر بھی نہیں مار سکتے، اس لئے ایسے لوگوں کے ساتھ تعاون اور ایثار کا حکم دیا گیا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود دینی کام کے بدلہ ان کی مالی حالت کو بہتر بنانے کا وعدہ نہیں کیا گیا۔ دراصل یہ کار شیشہ و آہن ہے سختیاں اس راہ کی حقیقت بھی ہیں عزیمت بھی۔ ! آئین چمن بندی ہے۔ گلاب کو اگانے کے لئے کانٹوں کی آبیاری کرنا پڑتی ہے۔ گل کے جویا کو خار کا کھٹکا نہیں ہوتا اور کانٹوں سے فرار شوق کی کمی کی نشاندہی کرتا ہے ؎

آتی ہے وقت جو رجبیں پر شکن ہنوز
مجذوب خام ہے تیرا دیوانہ پن ہنوز

دینی کام سخت ضرور ہے اور اس اہم کام میں فرد کا مالی مستقبل مجہول رہتا ہے لیکن موجودہ حالات میں اداروں کو ان افراد کی ذمہ داری قبول کرنی چاہئے، اسکے بغیر دینی کاموں کا کارواں آگے نہیں بڑھ سکتا اور نہ ایسے لوگ تیار ہو سکتے ہیں جو علمی اور تحقیقی کام دینی خدمت سمجھ کر انجام دیں، جو لوگ اس قافلہ میں شریک ہوں انہیں سمجھنا چاہئے کہ اس راہ کے مسافر کے لئے بڑے عزم و حوصلہ کی ضرورت ہے، ہر شخص اس راستہ کو طے نہیں کر سکتا اور نہ ہر مال اس کسوٹی پر پورا اتر سکتا ہے ؎

کوئی آبلہ پا اس وادی پرخار میں آئے

وکیل احمد طاہر قادرآبادی

غزل

عہد مستقبل کو یوں روشن بنانا چاہیئے
ہر ستارہ آسماں سے توڑ لانا چاہیئے

اک نشیمن کی تباہی کے لئے یہ یورشیں
آندھیوں کی بزدلی پر مسکرانا چاہیئے

ایک دو پل میں کہیں ہوتی ہے تفسیر حیات
شرح ہستی کے لئے تو اک زمانا چاہیئے

اس کی باتیں اس کا لہجہ اسکی صورت اسکا قد
ہر علامت شعر کے پیکر میں آنا چاہیئے

عزم و ہمت شرطِ اول ہے رہائی کے لئے
قفل زنداں نہ بھی ٹوٹے آزمانا چاہیئے

پیار، ہمدردی، محبت، دوستی، انسانیت
ان چراغوں سے ہر اک محفل سجانا چاہیئے

آؤ طاہر چل کے دیکھیں میکدے کا انتظام
آج کے دن ظرف ساقی آزمانا چاہیئے

جاتا ہے، جوان ہوتا ہے، بوڑھے باپ کی امیدوں کا سہارا بننے لگتا ہے، اتنے میں حکم ہوتا ہے کہ اس کو ذبح کر دو، ابراہیم علیہ السلام نبی تھے۔ نبی کو آسمانی احکامات پہونچنے کا ذریعہ خواب بھی ہوتا ہے جب یہ حکم ان کو خواب کے ذریعہ بار بار ملتا ہے تو ان کو اب اس کے واقعی اور یقینی ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ وہ نوجوان بیٹے کو بلاتے ہیں ان سے اس واقعہ کا اور حکم کا تذکرہ کرتے ہیں بیٹا سر اطاعت خم کر دیتا ہے، کہتا ہے "یا أبت افعل ما تؤمر" اور اس طرح نہ صرف باپ بلکہ بیٹا بھی حکم کی بجا آوری کے لئے تیار ہو جاتا ہے، دونوں تعمیل حکم میں لگ جاتے ہیں اور اس طرح اطاعت اور قربانی کا امتحان مکمل ہو جاتا ہے۔ یہ قربانی پروردگار کی طرف سے مینڈھے کی قربانی میں بدل دی جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے نزدیک بیٹے کی گردن پر چھری چلا رہے ہوتے ہیں لیکن بیٹے کو خدا سلامت رکھتا ہے اور ابراہیم علیہ السلام کی چھری کے نیچے بیٹے کی گردن کے بجائے مینڈھے کی گردن کر دی جاتی ہے، قربانی کا عمل مکمل ہوتا ہے لیکن بغیر اس بلند کردار اور اطاعت شعار بیٹے کی ہلاکت کے۔ پھر باپ بیٹے دونوں اپنے رب کے شکر و عبادت کے لئے اس کے گھر کی تعمیر کرتے ہیں، اپنے پروردگار سے دعا کرتے ہیں کہ یہاں کے رہنے والوں کو اطاعت و عبادت کی ہمیشہ توفیق عطا فرمائے اور اس جگہ کے باشندوں کی زندگی کی جو ضروریات ہو مہیا ہونے کا نظم فرما دے۔ اور اس کو اپنی عبادت و اطاعت کا مرکز بنا دے پھر یہاں انھیں میں سے ایک نبی مبعوث کرے جو پروردگار کی تعلیمات کو سکھائے اور نافذ کرے اور ہر چہار دانگ عالم کے لوگوں کے دلوں کو خدا کے اس مقدس گھر کی طرف مائل کر دے، دعا قبول ہوتی ہے اور مکہ جو خشک صحرائی وادی تھا اور آبادی سے بالکل عاری اور زندگی کے سہاروں سے خالی تھا اس عظیم خاندان نبوت کی اطاعت اور دعا کی برکت سے مرکز حیات و عبادت بن جاتا ہے وہاں جہاں کا سردار خاتم الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا اور مبعوث ہوتے ہیں جن کی شریعت و سنت عالمی شریعت و سنت بنتی ہے اور تا قیامت سب کے لئے ضروری قرار دی جاتی ہے اور اس طرح وہ جگہ جو آب و گیاہ بھی عالمی سطح پر دلوں کا مرکز محبت الٰہی کی عالمگیر آماجگاہ بنتی ہے، دنیا کے کونے کونے سے لوگ افتاں و خیزاں اور والہانہ انداز سے وہاں پہونچتے ہیں اور پروردگار کے لئے محبت و فدائیت کے جذبات نثار کرتے ہیں اور اس طرح اس عظیم قربانی و اطاعت شعاری کی یاد تازہ ہوتی رہتی ہے اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے خاندان کی مخلصانہ قربانی صرف آخرت کا ہی ذخیرہ و سرمایہ نہیں بنتی بلکہ رہتی دنیا تک لائق صد عزت یادگار بن جاتی ہے۔

عید الاضحیٰ کا موقع محبت و فدائیت کی یادگار ہے اس کے اندر پوشیدہ رازوں کو سمجھنے کا اور عمل کرنے کا موقع ہے۔

روسی انقلاب پر ہندوستانی مفکرین کی دستاویزی تحریریں خدا بخش لائبریری نے شائع کر دی ہیں۔

پٹنہ، ۱ستمبر: سوویت انقلاب ۱۹۱۷ کے فوراً بعد ۱۹۱۸ میں اردو کے ایک ماہنامے نے سوویت روس، انقلاب روس فلسفۂ انقلاب، بولشیوازم اور سوشلزم پر سوا سو صفحے پر پھیلی ہوئی تجزیاتی تحریریں اس عہد کے اہم لکھنے والوں کے قلم سے شائع کی تھیں۔ ہندوستان نے اس انقلاب سے ۱۹۱۸، ۱۹۱۹ اور ۱۹۲۰ میں انقلاب کے فوراً بعد کس انداز کی اور کس حد تک دلچسپی لی تھی اور ہندوستانی مفکر اس وقت اس انقلاب اور روس میں آنے والے نئے نظام کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے یہ سب ان تحریروں سے واضح ہوتا ہے۔ خدا بخش لائبریری کی طرف سے یہ دستاویزی اہمیت رکھنے والی تحریریں شائع کر دی گئی ہیں۔

کامیابی کا راز

عید الاضحیٰ دراصل اس قربانی کی یاد تازہ کرنے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد کو دہرانے کا ایک تاریخی دن ہے، یہ حقیقت میں ہر مسلمان کے لئے ایک رمز ہے اس بات کا کہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنی سب سے بڑی چیز اور محبوب ترین متاع کو قربان کئے بغیر زندگی میں سعادت، کامرانی، خوش بختی اور اطمینان نہیں حاصل ہو سکتا۔ قرآن مجید کی اس آیت میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" (جب تک کہ تم اپنی محبوب ترین چیزوں میں سے کچھ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو اس وقت تک نیکی اور سعادت نہیں پا سکتے)۔

غور کیجئے تو مسلمان کی زندگی مسلسل قربانیوں اور پے بہ پے ایثار کا ایک سلسلہ ہے جو اس کی زندگی کے آخری لمحہ تک قائم رہتا ہے، اور جب بھی وہ اس ذمہ داری سے دستبردار ہونے اور قربانی کے تقاضوں سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے ـــ تو مصائب و آلام کا شکار ہوتا ہے، اور وہ تمام ناخوشگوار حالات اس کو گھیر لیتے ہیں جو اس کی زندگی کے ہر لمحہ کو تلخ تر بنانے میں پوری مدد کرتے ہیں، زندگی میں کامیابی کا راز ایثار کی حقیقت میں پوشیدہ ہے، جن قوموں نے اس راز کو پالیا ہے وہ ہر مرحلہ میں اور ہر سخت سے سخت موقع پر کامیاب و سرخرو ہوئیں، کامیاب اور باعزت قوموں کی تاریخ میں جتنے بھی عظیم واقعات رونما ہوئے اور محیر العقول کارنامے انجام پائے وہ سب اسی جذبۂ ایثار و فدائیت کے رہین منت ہیں۔

اہم اطلاع

دفتر تعمیر حیات کو مندرجہ ذیل منی آرڈر وصول ہوئے ہیں مگر پتہ اور خریداری نمبر نہ ہونے کی وجہ سے صحیح جگہ پر اندراج نہیں کیا جا سکا ہے، براہ کرم اولین فرصت میں متعلقہ تفصیلات سے مطلع کریں۔

۱۔	ایس۔ اے سعید صاحب بیدار	۲۰/-
۲۔	کے۔ ایم عبد الکریم مولوی کرناٹکا	۳۱/-
۳۔	ایم۔ ایم رئیس صاحب بناس کانٹھا گجرات	۳۰/-

(منیجر)

سرزمین رنگ و بو لکھنؤ کے مسحور کن عطریات

شمامۃ العنبر

زعفرانی حنا

کارخانہ

محمد سلیمان محمد یوسف پرفیومرس

یوسف بلڈنگ نادان محل روڈ لکھنؤ (انڈیا) سے طلب کریں

سید محمد الحسنی

یہ حسرت رہ گئی پہلے سے حج کرنا نہ سیکھا تھا

یہ مصرعہ ایک صاحب دل بزرگ اور صاحب درد شاعر صوفی عبد الرب صاحب کا ہے، پورا شعر اس طرح ہے ؎

یہ حسرت رہ گئی پہلے سے حج کرنا نہ سیکھا تھا
کفن بردوش جا پہونچا مگر مرنا نہ سیکھا تھا

اس وقت دنیا کے مسلمان جس فضا میں سانس لے رہے ہیں، وہ حج کی، قربانی کی، ذوق و شوق کی اور جذب و کیف کی فضا ہے، اس میں بے خودی بھی ہے، بے خبری بھی ہے، خود شکنی بھی ہے، دیوانگی بھی ہے، بلکہ اس راہ میں فرزانگی سے زیادہ دیوانگی، اور ہوش سے زیادہ جوش درکار ہے، اور خرد کی پختہ گری سے زیادہ جنوں کی چادری کی ضرورت ہے، احرام کی حالت میں ادھر سے ادھر پھرنا، سر منڈانا، طواف و سعی کرنا، قربانی کرنا، کبھی سفر کبھی قیام، کبھی صبح کبھی شام اس بات کی علامت ہیں کہ حج میں دوسرے منافع ضرور ہیں لیکن وہ کوئی سمینار اور کانفرنس نہیں، ایک سفر عشق ہے اور تعمیل حکم ؎

خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو
یہ غذا دیتے ہیں جاناں تیرے دیوانے کو

یہاں مشرق و مغرب اور شمال و جنوب آکر مل جاتے ہیں، جہتیں اور سمتیں ختم ہو جاتی ہیں، وقت اور زمین کی طنابیں کھینچ جاتی ہیں، سب کا ایک مرکز ہوتا ہے، بیت اللہ، اور ایک لباس، احرام کی بے سلی ہوئی چادریں، زبان پر ایک نعرہ اور ایک ترانہ۔ لبیک اللّٰھم لبیک۔ اور ایک زمزمہ الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللّٰہ۔

یہاں زندگی مکہ اور مدینہ کے درمیان گھومتی ہے، نہ وہاں سے جی بھرتا ہے، نہ ادھر سے سیری ہوتی ہے، کمال و اور جلال و جمال کی تجلیاں راہ عشق کے اس مسافر کو ہر وقت نوازتی ہیں، یہاں رحمت مینہ کی طرح برستی ہے لیکن دل کی سوکھی اور پیاسی سرزمین پر، خشک لبوں پر، ترستی ہوئی نگاہوں پر، شرمسار اور خاک آلود پیشانیوں پر، اس لئے کہ یہاں یہی سوغات معتبر اور یہی تحفہ نادر و مقبول ہے، یہاں تعلی و لن ترانی، چرب زبانی اور آتش نوائی کی نہیں، شکستہ دلی کی، احساس ندامت کی، عشق و محبت کی ابھرتی ہوئی پاکیزہ سسکی اور گنہگار آنکھوں کے غسل صحت کی ضرورت ہے ؎

الٰہی درد دل کی سرزمیں کا حال کیا ہوتا ٭ محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی
کوئی جا کر کہدے ابر نیساں سے کہ یوں برسے ٭ کہ جیسے مینہ برستا ہے ہمارے دیدۂ تر سے

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل ٭ لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

یہاں زمام کار دل کے ہاتھوں میں ہونی چاہئے اور معاملات کو نگاہ محبت سے دیکھنا چاہئے لیکن کون سا دل اور کیسی نگاہ ـــ وہ دل نہیں جو بدگمانی و بے یقینی کا اور ظلمت و تاریکی کی آماجگاہ ہے، جو دنیا میں اٹکا ہوا ہے اور دنیا ہی کے لئے دھڑکتا ہے ـــ جسے فاسد ماحول، غلط ترغیبات اور سموم ہواؤں نے اتنا سخت بنا دیا ہے کہ کوئی عبرت، حسرت اور نصیحت و موعظت اس پر اثر نہیں کرتی ـــ اور وہ نگاہ نہیں جو پاک و صاف اور عفیف نہیں ہے، جو خدا کے خوف اور خدا کی محبت میں کبھی اشکبار نہ ہوئی، جس نے راہ خدا میں کبھی شب بیداری کا مزہ نہ چکھا، اور جو ہر غلط چیز پر پڑتی رہی اور جگہ جگہ بھٹکتی رہی۔

یہ "پاک دل" اور یہ "پاک نگاہ" اس سفر کی وہ شاہ کلید ہے جس سے یہ سفر حج مقبول اور حج مبرور بنتا ہے ـــ جس سے اس کی پوری قیمت وصول ہوتی ہے، جس سے اس کا حقیقی لطف آتا ہے ـــ اور حاجی حج کی ایک ایک ادا کو اپنے اندر جذب کر لیتا اور سمو لیتا ہے۔

"ذٰلک ومن یعظم شعائر اللّٰہ فانھا من تقوی القلوب"
(اور جو اللہ کے شعائر اور نشانیوں کی تعظیم کریگا تو وہ دل کے ادب و لحاظ اور تقویٰ کی بات ہوگی)۔

آغاز مضمون میں صوفی صاحب کا جو شعر دیا گیا وہ اسی مقصد سے ہے اور اس میں اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، جس سے غفلت و محرومی بعض وقت حاجی اور زائر کو بہت محسوس ہوتی ہے، لیکن گزشتہ غفلتوں، مشغولیتوں اور دلچسپیوں کی اس قدر جلد اور اچانک تلافی آسان نہیں ہوتی۔ اور حسرت و افسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا ؎

یہ حسرت رہ گئی پہلے سے حج کرنا نہ سیکھا تھا
کفن بردوش جا پہونچا مگر مرنا نہ سیکھا تھا

حج کی اصل تیاری وہ نہیں جس میں آدمی سر سے پیر تک مشغول ہوتا ہے اور اس کی تمام تفصیلات سے باخبر ہوتا ہے، ہر وقت اسی کی باتیں، اسی کی فکر، اسی کی دوڑ دھوپ، دفتروں کے چکر، کاغذات کی تیاری، اور سامان و اسباب کی فراہمی کا سلسلہ غرض دنیا کے سارے جھمیلے ـــ یہ سب باتیں ضروری ہیں، اور ان سے کسی کو مفر نہیں، لیکن ہم اگر اس میں اس قدر منہمک ہو جائیں کہ ہمیں یہ بھی خیال نہ رہے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں اور کس قدر مہتم بالشان اور اہم سفر درپیش ہے، اگر ان ہنگاموں میں ہمیں حرم شریف سے زیادہ، بیت اللہ اور مسجد نبوی سے زیادہ دوسری جگہوں اور دوسری باتوں کا خیال رہنے لگے تو یہ خسارہ کی بات ہوگی، ہونا تو یہ چاہئے کہ ہم جا رہے ہوں اپنی کسی تیاری اور انتظام میں اور دل میں حج کا شوق چٹکیاں لے رہا ہو۔

حج کا شوق آج کل گھڑیوں، ٹرانسسٹر، ریکارڈ اور قیمتی کپڑوں اور اس طرح کے سامان کے آرائش و زیبائش کے ہم معنی بن گیا ہے۔ اس لئے یہ دھوکا نہ ہو کہ ہمارے اندر بھی حج کا شوق ہے، دیکھنے کی ضرورت یہ ہے کہ یہ حج کا شوق کس قسم کا ہے، دل کے کسی گوشہ یا دماغ کی سلوٹوں میں کوئی اور تصویر تو نہیں چھپی ہے، اندر اندر کوئی دنیاوی غرض اور مادی جذبہ تو کام نہیں کر رہا ہے ـــ حج سے پہلے دل میں شعائر حج کے احترام، سفر حج کی عظمت، اللہ تعالیٰ کے دربار عالی میں حاضری کا خیال اس طرح دامن گیر ہونا چاہئے کہ اس کے اندر شوق و انتظار بھی ہو اور فکر و ڈر بھی کہ خدانخواستہ کوئی ایسی بات غلطی سے سرزد نہ ہو جائے جو ادب کے خلاف ہو۔

جو لوگ اس مرتبہ حج کے لئے نہیں جا سکے یا وہ تمام مسلمان جو نہیں جا سکے لیکن حج کا شوق رکھتے ہیں اور حرمین شریفین کی عظمت اور یاد سے ان کے سینے معمور ہیں وہ بھی قابل مبارکباد ہیں کہ ان کے لئے بہت کچھ کرنے کا موقع ہے، وہ اپنے اس شوق و آرزو کی بدولت ان خوش نصیبوں سے کم نہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے وہاں کی حاضری نصیب فرمائی اور اپنے باب عالی تک پہونچا لیا ؎

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

ان کو حق ہے بلکہ ان کا فرض ہے کہ ایک ایک لمحہ وصول کریں۔ یہ وقت دنیا جہان کی باتوں، یا خریداری کے پروگراموں یا تصورات میں ضائع نہ کریں، اس لئے کہ بعض اوقات آدمی عبادات و طاعات میں مشغول معلوم ہوتا ہے لیکن عالم تصور میں کہیں اور ہوتا ہے، اعتبار دل کا، نیت کا اور اندرونی جذبہ کا ہے، لن ینال اللّٰہ لحومھا ولا دماءھا ولکن ینالہ التقوی منکم (اللہ تعالیٰ کو گوشت اور خون نہیں پہونچتا، اس کو تو تمہارے دل کا تقویٰ اور ادب و لحاظ پہونچتا ہے)

حج کے ارکان ہوں یا قربانی کے احکام سب کی روح یہی ہے، اور صرف ایک حج و قربانی پر موقوف نہیں، اسلام کے سارے ارکان اور احکام و فرائض کی روح یہ ہے کہ ان کو ایمان و احتساب، حسن نیت، قلبی لگاؤ اور باطنی استحضار کے ساتھ انجام دیا جائے۔ اس قلبی تعلق، اور نیت و جذبہ کے ساتھ بہت سے وہ کام جو دیکھنے میں خالص دنیاوی یا تجارتی معلوم ہوتے ہیں دین بن جاتے ہیں، اور اس کے بغیر عبادات و نوافل اور اذکار و اشغال بھی خطرہ میں پڑ جاتے ہیں ـــ

حج کی اہمیت کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ مبارک وقت آنے سے بہت پہلے سے اس کی تیاری کی جائے، اس کا ذہن بنایا جائے، اپنی اصلاح کی فکر کی جائے اور یہ کوشش کی جائے کہ اس دربار میں حاضری کے وقت ہماری اندرونی حالت اور کیفیت زیادہ سے زیادہ بہتر ہو۔ جو لوگ آئندہ سال جانے کی نیت رکھتے ہیں وہ ابھی سے اس کی تیاری شروع کریں تاکہ عین وقت پر ان کو حسرت نہ ہو، جن کو اللہ تعالیٰ نے توفیق نصیب فرمائی وہ وہاں کے بازاروں اور چمکتی ہوئی زندگی سے بالکل آنکھیں بند کر کے ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جائیں، ایسا نہ ہو کہ اتنا قیمتی سفر برباد اور ضائع ہو بلکہ الٹا ہمارے لئے وبال جان بنے اور کچھ اور بوجھ ہماری گردن پر ڈال دے ـــ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب حجاج کرام کی کوششوں اور محنتوں کو قبول فرمائے ان سب کو اپنی قبولیت اور رضا سے نوازے اور یہ حج ان کی زندگی کا بہت مبارک موڑ ثابت ہو۔

ہجرت سے پہلے

حدیث کے مجموعے اور سیرت کی کتابیں ظلم اور سنگدلی اور سفاکی و بے رحمی کے ان واقعات سے پُر ہیں جو اہل ایمان کو پیش آرہے تھے۔ حضرت بلال، عمار، خباب مصعب، سمیہ اور ان کے دوسرے احباب و رفقاء کے واقعات سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہونے لگتے ہیں اور وجدان و طبع سلیم میں ظلم کی نفرت و کراہیت پیدا ہونے لگتی ہے۔ قرآن مجید اور سیرت نبوی اس گھٹی گھٹی فضا اور سہمے ہوئے ماحول کی پوری تصویر ہے جس میں مکہ کے مسلمان زندگی گذار رہے تھے اس بوجھل اور زہر آلود فضا میں امید کی کوئی کرن نظر نہ آتی تھی، اور معاشرہ میں کوئی ایسا روزن باقی نہ تھا جس سے روشنی کی کوئی شعاع یا تازہ ہوا کا کوئی جھونکا اندر آسکتا، مسلمان دراصل چکی کے دو پاٹ کے درمیان آگئے تھے۔ یا دوسرے الفاظ میں ایک بے رحم و خونخوار درندہ کے پنجوں یا جبڑوں میں موت و زلیست کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ قرآن مجید نے اپنے بلیغ طریقہ پر اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

حتیٰ اذا ضاقت علیہم الارض بما رحبت وضاقت علیہم انفسہم وظنوا ان لا ملجأ من اللہ الا الیہ (سورہ براءت ۱۱۸)

یہاں تک کہ جب ان کی پریشانی کی یہ نوبت پہونچی کہ زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آگئے اور انھوں نے سمجھ لیا کہ خدا کی گرفت سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی، بجز اللہ کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔

عین اس وقت آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے اور ان اہل ایمان کے لئے قرآن مجید اصحاب کہف کا قصہ بیان کرتا ہے جس میں تنگی کے بعد کشائش سختی کے بعد آسانی، ذلت کے بعد عزت، اور ساتھ آسمانوں سے خارق عادت طریقہ پر نصرت الٰہی کے نزول کا ایک ایسا عجیب واقعہ پیش کیا گیا ہے جو ہر قیاس اور تجربہ کو جھوٹا ثابت کرتا ہے، اور عقل و دانش کے تمام ظاہری پیمانوں کو چیلنج کرتا ہے اور یہ بات روز روشن کی طرح سب پر عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک صاحب ایمان اقلیت بلکہ مٹھی بھر نوجوانوں کو جو ہر طاقت سے عاری اور ہتھیار سے محروم و تہی دست تھے کفر اور فسق و فجور کے ایک جم غفیر اور ظلم و استبداد کے اس انسانی سمندر سے کس طرح نجات عطا فرماتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں قوت و اقتدار کی زمام تھی اور جو دولت اور طاقت کے تمام وسائل و ذخائر پر پوری طرح قابض تھا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

تہوار اور انسان کی سماجی زندگی

میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جب سے آدمی نے اس زمین پر سماجی زندگی بسر کرنی شروع کی ہے غالباً اسی وقت سے تہوار منانے کا سلسلہ بھی چلا آرہا ہے۔ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے اور کبھی نہیں رہی جس نے سال میں دو چار یا دس پانچ دن اس غرض کے لئے مخصوص نہ کئے ہوں۔ یہ تہوار دراصل سماج کی جان ہیں۔ لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونا، مشترک جذبات کا مظاہرہ کرنا، مل کر خوشیاں منانا، ایک ہی قسم کی مقررہ رسمیں ادا کرنا، یہ اپنے اندر سرشش کی سی خاصیت رکھتا ہے۔ جس سے افراد آپس میں جڑ کر ایک مربوط سوسائٹی بنتے ہیں۔ اور ان میں اجتماعی روح نہ صرف پیدا ہوتی ہے بلکہ تھوڑے تھوڑے وقفوں سے تازہ اور بیدار ہوتی رہتی ہے۔

عموماً جو تہوار دنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں میں منائے جاتے ہیں۔ ان کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر تہوار یا تو کسی اہم واقعہ کی یادگار میں منایا جاتا ہے، یا کسی بڑے شخص کی ذات سے منسوب ہوتا ہے یا کسی خاص مذہبی تقریب سے تعلق رکھتا ہے۔ بہرحال تہوار کے لئے کوئی نہ کوئی ایسی تقریب ضروری ہے جو ایک قوم کے افراد یا ایک ملک کے باشندوں کیلئے مشترک دلچسپی کی چیز ہو اور جس سے ان کے گہرے جذبات وابستہ ہوں۔ اسی وجہ سے ایک قوم یا ملک کے تہواروں میں دوسری قوم یا ملک کے لوگ دلچسپی نہیں لیتے اور کسی مصلحت سے بہ تکلف دلچسپی لینا چاہیں تو لے نہیں سکتے کیونکہ ایک قوم کا تہوار جن روایات سے تعلق رکھتا ہے وہ دوسری قوم کے جذبات و احساسات میں وہ حرکت پیدا نہیں کرتیں جو خود اس قوم میں پیدا کرتی ہیں۔

تہوار منانے کے طریقے بھی دنیا کی مختلف قوموں میں مختلف ہیں۔ کہیں صرف کھیل کود اور راگ رنگ اور لطف و تفریح تک ہی تہوار محدود ہوتا ہے، کہیں تفریحات تہذیب کی حد سے گذر کر فسق و فجور اور ناشائستگی کی حد تک پہنچ جاتی ہیں۔ کہیں مہذب تفریحات کے ساتھ کچھ سنجیدہ مراسم بھی ادا کئے جاتے ہیں اور کہیں اجتماعی توجہ سے فائدہ اٹھا کر لوگوں میں اعلیٰ درجہ کی اخلاقی روح پھونکنے اور کسی نصب العین کے ساتھ محبت اور گرویدگی پیدا کرنے کی کوشش کیجاتی ہے غرض ایک قوم کا تہوار منانے کا طریقہ گویا ایک پیمانہ ہے۔ جس سے آپ اس کے مزاج اور اس کے حوصلوں اور امنگوں کو علانیہ ناپ کر دیکھ سکتے ہیں۔ جتنی بلند اخلاقی روح کسی قوم میں ہوگی اتنے ہی اس کے تہوار مہذب اور پاکیزہ ہوں گے اور اسی طرح اخلاقی اعتبار سے کوئی قوم جتنی پست ہوگی وہ اپنے تہواروں میں اتنے ہی مکروہ مناظر پیش کرے گی۔

اسلام چونکہ ایک عالمگیر اصلاحی تحریک ہے جو کسی خاص ملک یا قوم سے تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کو ایک خدا پرستانہ تہذیب کا پیرو بنانا چاہتی ہے۔ اس لئے اس نے جہاں زندگی کے ہر شعبہ کو اپنے خاص رنگ میں ڈھالا ہے اسی طرح تہواروں کو بھی ایک نئی شکل دی ہے جو دنیا بھر کے تہواروں سے مختلف ہے۔ سماجی زندگی میں تہوار کی جو بات ہے، اور سماج میں اجتماعی تقریبات کے لئے جو ایک فطری پیاس پائی جاتی ہے، اس کو تو اسلام نے نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ اس سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کی ہے۔ مگر تہوار کی تقریب اور تہوار کے منانے کے طریقے، اور تہوار کی اخلاقی روح میں بنیادی تغیر کر دیا جاتا ہے جس کی تین اہم خصوصیات کی طرف میں آپ کو توجہ دلاؤں گا۔

ایک عالمگیر تحریک قومی تہواروں کو پسندیدگی کی نظروں سے نہیں دیکھ سکتی۔ جن تہواروں کی بنیاد الگ الگ قومی روایات پر ہے جنکے ساتھ ایک ہی قوم کے جذبات اور دلچسپیاں وابستہ ہوں اور جن میں ایک قوم کے ساتھ دوسری قوم فطرتاً شریک نہ ہو سکتی ہو۔ وہ دراصل انسانیت کی قومی تقسیم و تفریق کو مضبوط کرنے والی طاقت ہیں۔ وہ جس طرح ایک قوم کو اپنے اندر منظم ہونے میں مدد دیتے ہیں۔ اسی طرح ہر قوم کو دوسری

بمبئی میں نفیس اور عمدہ چائے کے تھوک و خردہ فروش

عباس علاء الدین اینڈ کمپنی

Abbas Alauddin & Co.

WHOLESALE AND RETAIL TEA MERCHANTS

44, Haji Building, S. V. Patel Road, Null Bazar, BOMBAY, 3

Tele: Add. CUPKETTLE

Phone: 862220 — 378054

اسپشل مکسچر	کپ برانڈ
اسپشل ممری	گولڈن ڈسٹ
ہوٹل مکسچر	فلاور بی، او، پی
سوداگر مکسچر	سوپر ڈسٹ

۴۴ حاجی بلڈنگ، ایس، وی، پٹیل روڈ

نل بازار

بمبئی ۳

اس عظیم قربانی کی یادگار جو چار ہزار سال قبل خدا کے حضور پیش کی گئی

قوم سے پھاڑنے اور الگ کرنے کی خدمت بھی انجام دیتے ہیں۔ لہٰذا کوئی ایسی تحریک جو قومیتوں سے بالاتر ہو کر انسانیت سے بحث کرتی ہو اور تمام دنیا کے انسانوں کو ایک تہذیب کے رشتے میں پرونا چاہتی ہو، اس قسم کے تہواروں کو فرض یہی نہیں کر قبول کرسکتی بلکہ گوارہ بھی نہیں کرسکتی کیونکہ وہ اس کے مقصد کی راہ میں بالفعل ایک رکاوٹ ہوتے ہیں۔ اس کے پیش نظر مقصد کا فطری اقتضا یہی ہے کہ جو قومیں اس کے زیر اثر آئیں ان سے وہ قومی تہوار چھڑوا دے اور ایسے تہوار مقرر کرے جن میں وہ سب شریک ہوسکتی ہوں جو بیک وقت قومی بھی ہوں اور بین الاقوامی بھی جن کی بنیاد قومی روایات و جذبات پر نہ ہو بلکہ انسانیت کے لئے مشترک اہمیت رکھنے والے جذبات و روایات پر ہو۔

پھر جو تحریک عالمگیر ہونے کے ساتھ خدا پرستانہ بھی ہو، وہ ایسے تہواروں کو اور ان تقریبات کو جو قدیم عقائد کی یاد تازہ کرنیوالی ہوں بند کردے اور ان کی جگہ ایسے تہوار مقرر کرے جو خدا پرستی کا گہرا رنگ لئے ہوئے ہوں۔ خدا پرستی کے ساتھ لازمی طور پر اخلاق کا بھی ایک بلند نصب العین پیدا ہوتا ہے اور اسکا تقاضہ یہ ہے کہ ایک خدا پرستانہ تحریک اپنے پیروؤں کو ایسے تہوار دے جو فسق و فجور اور ناشائستگی سے بالکل خالی ہوں، جن میں لطف و تفریح تہذیب کے ساتھ اور اظہار مسرت سنجیدگی کے ساتھ ہو جو محض کھیل کود ہی پر ختم نہ ہو جائیں بلکہ جماعتی زندگی میں تہوار سے جو ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے اس کو اعلیٰ درجہ کے اخلاقی مقاصد کے لئے پوری طرح استعمال کیا جائے۔

اسلام نے اپنے پیروؤں کے لئے جو تہوار مقرر کئے ہیں ان میں یہ تینوں خصوصیتیں نمایاں نظر آتی ہیں۔ عرب، ایران، مصر اور شام اور دوسرے ملکوں میں جن قوموں نے اسلام قبول کیا ان کے بعد کے مسلمانوں نے اسلامی عیدکی اصلی شان کو کسی حد تک جاہلیت کے افعال سے داغدار کردیا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جس طرح عید منائی جاتی تھی اس کا نقشہ میں آپ کے سامنے کھینچتا ہوں جس سے آپ اس تہوار کی پاکیزگی کا صحیح اندازہ کرسکیں گے۔

عید کے روز صبح کو تمام مسلمان عورت مرد بچے سب غسل کرتے تھے اور اچھے سے اچھے کپڑے جو خدا نے ان کو دئے تھے پہنتے، رمضان کی عید میں نماز کے لئے جانے سے پہلے تمام خوشحال لوگ ایک مقررہ مقدار صدقے کی نکال کر غریبوں کو دیتے تھے، تاکہ کوئی شخص عید کے روز بھوکا نہ رہ جائے بقرعید میں اس کے برعکس نماز کے بعد قربانی کی جاتی تھی، ذرا دن چڑھے سب لوگ گھروں سے نکل کھڑے ہوتے تھے۔ حکم تھا کہ عورت، مرد، بچے سب نکلیں تاکہ مسلمانوں کی کثرت اور ان کی شان کا اظہار ہو، خدا سے دعا مانگنے میں بھی سب شریک ہوں اور اجتماعی مسرت میں بھی سب کو شرکت کا موقع مل جائے، عید کی نماز مسجد کے بجائے بستی کے باہر میدان میں ہوتی تھی تاکہ بڑے سے بڑا مجمع ہو سکے۔ نماز کے لئے جاتے وقت سارے مسلمان اللہ کی تکبیر کہتے چلتے تھے، اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

(اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ کے، اور اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اور ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں) ہر گلی ہر کوچہ ہر بازار اور ہر سڑک پر یہی نعرے لگتے جاتے تھے جن سے ساری بستی گونج اٹھتی تھی۔ عیدگاہ کے میدان میں جب سب لوگ جمع ہو جاتے تو صفیں باندھ کر سارا مجمع رسول خدا کی امامت میں پوری باقاعدگی کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے۔ جمعہ کی نماز کے برعکس یہ خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا تاکہ زیادہ سے زیادہ آدمی اپنے لیڈر کی اہم تقریر کے وقت موجود رہیں، جس کا موقع سال میں صرف دو ہی مرتبہ آتا ہے پہلے ایک تقریر مردوں کے سامنے ہوتی پھر آپ میدان کے اس حصے کی طرف تشریف لیجاتے جہاں عورتیں جمع ہوتی تھیں اور وہاں بھی تقریر فرماتے تھے ان تقریروں میں تعلیم و تلقین اور وعظ و نصیحت کے علاوہ اسلامی جماعت کے متعلق ان تمام اہم مسائل پر بھی روشنی ڈالی جاتی تھی، جو اس وقت در پیش ہوتے تھے۔ کوئی فوجی یا سیاسی مہم اگر پیش نظر ہوتی تو اس کا انتظام بھی وہیں اسی مجمع میں کردیا جاتا۔ جماعتی ضروریات کیلئے بھی لوگوں کو توجہ دلائی جاتی اور ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق ان کے پورا کرنے میں حصہ لیتا، حتیٰ کہ روایات میں آیا ہے کہ عورتیں اپنے زیور تک اتار کر جماعت کی خدمت کے لئے پیش کرتی تھیں، پھر یہ مجمع عیدگاہ سے پلٹتا تھا اور حکم تھا کہ جس راستے آئے ہو اس کے خلاف دوسرے راستے سے گھروں کی طرف واپس جاؤ تاکہ بستی کا کوئی حصہ تمہاری چہل پہل سے اور تمہاری تکبیروں کی گونج سے خالی نہ رہ جائے۔

نماز سے واپس ہو کر بقرعید کے روز تمام ذی استطاعت مسلمان قربانی کرتے تھے اس قربانی کا مقصد اس واقعہ کی یاد ہی کو نہیں بلکہ ان جذبات کو بھی تازہ کرنا تھا جن کے ساتھ عراق کا رہنے والا ایک غریب الوطن بوڑھا انسان کہیں خدا کا اشارہ پاتے ہی خود اپنے بیٹے کو خدا کی محبت پر قربان کرنے کے لئے تیار ہو گیا اور عین وقت پر خدا نے اپنے رحم و کرم سے اس کو بیٹے کے بدلے مینڈھے کی قربانی پیش کرنے کی اجازت دے دی تھی ٹھیک اسی تاریخ کو اسی وقت تمام مسلمان وہی فعل علانیہ کرکے اس جذبہ کو تازہ کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کی طرح وہ بھی خدا کے مسلم اور مطیع فرمان بندے ہیں، انہی کی طرح اپنی جان، مال، اولاد ہر چیز کو خدا کے حکم اور اس کی محبت پر قربان کرنے کے لئے تیار ہیں اور ان کا جینا اور مرنا سب خدا کے لئے ہے۔ اسی نیت کا اظہار جانور کو ذبح کرنے کے فعل سے اور ان الفاظ سے ہوتا ہے جو ذبح کے وقت زبان سے ادا کئے جاتے ہیں انی وجھت ...... الخ (میں نے اپنا رُخ اس کی طرف پھیر دیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ میں ٹھیک اسی طریقہ کا پیرو ہوں جو ابراہیم کا طریقہ تھا اور میں خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانے والوں میں سے نہیں ہوں، میری نماز اور میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب کچھ اللہ پروردگار عالم کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں خدا کے فرمانبردار بندوں میں سے ہوں خدایا یہ تیرا ہی مال ہے اور تیرے ہی لئے حاضر ہے، بسم اللہ اللہ اکبر)۔

یہ الفاظ زبان سے ادا کرتے ہوئے جانور ذبح کیا جاتا تھا، اور اس منظر کو گھر کی عورتیں اور بچے سب دیکھتے تھے تاکہ سب کے دلوں میں وہی قربانی اور خدا کی اسی فرمانبرداری کے جذبات تازہ ہو جائیں، پھر یہ گوشت عزیزوں اور رشتہ داروں میں تقسیم کردیا جاتا تھا جانور کی کھال یا اس کی قیمت غریب لوگوں کو دے دی جاتی تھی، اس کے علاوہ بھی دل کھول کر خیرات کیجاتی تھی تاکہ عید صرف خوشحال لوگوں ہی کا تہوار بن کر نہ رہ جائے۔

بس یہ عید تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منائی جاتی تھی، ان "سرکاری رسوم" کے علاوہ "غیر سرکاری طور پر" جوان لوگ کچھ کھیل کود بھی لیتے تھے اور گھروں کی لڑکی بالیاں مل بیٹھ کر کچھ گیت گا لیا کرتی تھیں۔ مگر یہ چیز بس ایک حد کے اندر ہی تھی۔ اس سے آگے قدم بڑھانے کی اجازت نہ تھی، بلکہ سوسائٹی کے لیڈر تو جوانوں کی ان جائز خوش فعلیوں میں بھی حصہ لینے سے وہ ناروا اظہار کرنے کی برأت کرنے لگیں۔ لیڈروں کا جو طرز عمل تھا اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوسکتا ہے جو مستند روایات میں بیان ہوا ہے کہ ایک دفعہ عید کے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس پڑوس کی دو لڑکیاں بیٹھی گیت گا رہی ہیں۔ گیت کچھ عشق و عاشقی اور شراب و کباب کے مضمون کے نہ تھے بلکہ جنگ بعاث کے زمانہ کے گیت تھے۔ لڑکیاں بھی کوئی پیشہ ور فنکار اور موسیقار نہ تھیں بلکہ گھروں کی بہو بیٹیاں تھیں جو کبھی دل بہلانے کو آپس میں بیٹھ کر معمولی گیت گا لیا کرتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس تفریح میں دخل نہ دیا اور خاموشی کے ساتھ ایک گوشہ میں جا کر چادر اوڑھ کر لیٹ گئے تھوڑی دیر بعد حضرت ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے اپنی صاحبزادی کو ڈانٹ بتائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ کیا شیطانی حرکت ہو رہی ہے۔ ان کی آواز سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا "رہنے دو" ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے آج ہماری عید ہے "آخر یہ ارشاد سنکر حضرت ابوبکرؓ خاموش ہو گئے مگر وہ سلسلہ جاری نہ رہا، ان کے پیٹھ موڑتے ہی حضرت عائشہؓ نے لڑکیوں کو آنکھ کا اشارہ کیا اور وہ اپنے گھروں کو بھاگ گئیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جوان لوگوں کے معصومانہ کھیل کود اور کچھ گانا بجا لینے کو جائز تو رکھا جاتا تھا۔ لیکن بڑے خود ان دلچسپیوں میں حصے کر ان کی ہمت نہیں بڑھاتے تھے۔ بعد میں جب بڑوں نے حدود کی نگہداشت چھوڑ دی تو رستی ڈھیلی ہی ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ ناچ رنگ سے گذر کر معاملہ یہاں تک پہونچا ہے ؎

روز عید است لب خشک سے آلود کنید
چارہ کار خود اے تشنہ لباں زود کنید

اسلام کا نیا معجزہ: ہریجنوں کا قبول اسلام

شمس تبریز خاں

خدائے کریم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا، افراد و اقوام پر جب کوئی افتاد پڑتی اور مصیبت آتی ہے تو اس کے بھی اسباب و علل اور اس میں حکمت و مصلحت ہوتی ہے جو ظاہر بین نگاہوں سے پوشیدہ ہوتی ہے جس کے سبب انسان گھبرا اٹھتا اور حواس باختہ ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید نے انسانی فطرت کی اس کمزوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کتنا صحیح کہا ہے کہ۔

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ (المعارج ۱۹-۲۱)

(انسان بہت کم ہمت پیدا کیا گیا ہے جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو واویلا کرنے لگتا ہے اور جب اسے فارغ البالی ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔

دنیا کا سمندر ہمیشہ اتار چڑھاؤ پر رہتا ہے، زمانے میں کسی چیز کو ثبات نہیں اور زندگی انقلاب و تبدیلی ہی کا نام ہے اسلئے افراد و اقوام کا عروج و زوال بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی بن جاتی ہے۔

تاریخ اسلام کا سمندر تو ہمیشہ ہی مد و جزر اور طوفان و سکون کے مناظر پیش کرتا رہا ہے۔ ایک طرف بنی امیہ کا زوال ہوتا ہے، تو دوسری طرف اُن کا ایک لائق فرزند عبدالرحمٰن داخل اندلس کی عظیم سلطنت کی داغ بیل ڈال دیتا ہے۔ جب خلافت عباسیہ کو تاتاری سیلاب بہا لیجاتا ہے تو ہندوستان میں اسلامی حکومت کی مسند آراستہ ہو جاتی ہے۔ پھر جب اندلس میں اسلام کا آفتاب غروب ہوتا ہے تو وہ بیزنطینی افق سے عثمانی ترکوں کی شکل میں پھر طلوع ہو جاتا ہے۔ پھر ترکوں کے انحطاط کے بعد عربوں کا آفتاب اقبال بلند ہوتا ہے اور ایشیا و افریقہ میں متعدد خود مختار ملک قائم ہو جاتے ہیں۔ تاریخ اسلام کا یہ پہلو بھی بہت عجیب و غریب ہے کہ اسلام کی سیاسی و عسکری شکست اس کی روحانی و دینی اور تہذیبی و ثقافتی فتح میں بدلتی رہی ہے۔ اسلامی بیداری کی اکثر تحریکیں بدترین سیاسی حالات اور مایوس کن فضا ہی میں پروان چڑھی ہیں اور انھوں نے قوم کو حالات سے عہدہ برآ ہونے کے قابل بنا دیا ہے:

افلت شموس الاولین وشمسنا
ابدًا علی افق العلی لا تغرب

(طلوع ہے صفت آفتاب اس کا غروب
یگانہ اور مثال زمانہ گوناگوں۔

(مدنیت اسلام: ضرب کلیم)

ہندوستانی مسلمان آزادئ ہند کے بعد سے ابتک مسلسل فسادات کا نشانہ بنتے رہے ہیں اور اس مایوس کن صورت حال نے فطری طور پر ان کی قوت عمل کو کمزور اور ذہن و فکر کو متاثر کیا ہے لیکن انہی حالات کا دوسرا روشن رُخ اور امید افزا پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھ رہے ہیں، اپنے دین و ثقافت سے انھیں ایک نیا تعلق پیدا ہو گیا ہے، اور حالات کے تھپیڑوں نے انھیں تجربہ کار شناور بنا دیا ہے۔ ان افسوسناک حالات نے سنجیدہ اور انسان دوست غیر مسلموں کو بھی متاثر کیا ہے اور اُن میں بھی اسلام کو سمجھنے کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔

ہریجنوں کے قبول اسلام کی نئی لہر بھی اسلامی تاریخ کی دیرینہ روایت کی بازگشت ہے جو مایوسی کے گہرے اندھیرے میں امید کی کرن کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایسے حالات میں (جبکہ مسلم معاشرہ صحیح معنوں میں مسلم معاشرہ نہیں نہ اس میں غیروں کی کشش کا کچھ زیادہ سامان ہے) ہریجنوں اور دوسرے غیر مسلموں کا بڑی تعداد میں دائرہ اسلام میں آنا اسلام کا ایک نیا معجزہ ہی کہا جاسکتا ہے جس کی عالمگیر تعلیمات اور اخوت و مساوات نے ان ستم رسیدہ روحوں کو اپنی طرف کھینچ لیا، اور خوف و ہراس، جبر و تشدد اور مستقبل کے خطرات کو نظرانداز کرتے ہوئے، سماج کے ان ستائے ہوئے انسانوں نے اسلام کے دامن عافیت و سایۂ رحمت میں پناہ لی۔ اور اس طرح انھوں نے اپنی جرأت و ذہانت، قوت فیصلہ اور ضمیر کی بیداری و خودداری کا ثبوت فراہم کردیا۔ اس معجزے کی اہمیت اس طرح اور بڑھ جاتی ہے کہ ابھی کچھ عرصہ پہلے سیاسی بازیگروں نے ہریجنوں اور مسلمانوں کو لڑانے کی سازش کی تھی مگر اللہ کی شان دیکھئے کہ وہی ہریجن اسلام کو گلے لگا رہے ہیں اور مسلمانوں سے دوستی کا دم بھر رہے ہیں!

ہریجنوں کے قبول اسلام کی قدر اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب ہم غور کرتے ہیں کہ یہ ایک بالکل خداداد اور خدا ساز واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ اس ملک میں تبلیغ اسلام کی سنجیدہ کوشش بہت کم ہوئی ہے بلکہ غیر مسلموں کو اسلام سے دور کرنے میں ہمارا بھی ہاتھ ہے ہندوستان میں ہم نے بھی اپنے مسلم معاشرے میں اونچ نیچ اور ذات پات کا تصور ایک حد تک اپنایا اور ہریجنوں کو قریب کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی اور اُن سے غیر اسلامی برتاؤ کیا۔

افسوس ہے کہ ہریجنوں کے اس قابل قدر و لائق تحسین اور خوش آیند اقدام پر انھیں مبارکباد دینے کے بجائے بہت سے خوشامد پسند ضمیر فروش اور آخرت فراموش مسلمان انھیں ملامت کر رہے ہیں اور ان کے اس مبارک فیصلے کی مذمت کر رہے ہیں، انھیں خود تو تبلیغ اسلام کے فریضے سے سبکدوش ہونے کی توفیق بھی نہیں ملی اور جب خدا نے اپنے مظلوم و محروم بندوں کو اسلام کی توفیق دی تو وہ اس کی قدر نہیں کر پا رہے ہیں۔ قرآن میں ایسے ہی بے عمل و بے توفیق مسلمانوں کے بارے میں کہا گیا ہے:

وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔ (محمد-۳۸)

(اور اگر تم روگردانی کروگے تو تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لائے گا جو تمہاری طرح نہ ہوں گے)۔

یہ ہمارے لئے بڑی تشویش و غیرت کی بات ہے کہ ہم اپنے موروثی و خاندانی اسلام کے دعویدار ہو کر اسلام کی روح سے خالی ہوں اس کے نتیجے میں اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ دنیا کی دوسری اقوام کو اسلام سے سربلند کرکے ہماری جگہ پر کر دے۔

ایک طرح سے آج کل صورت حال سامنے آ رہی ہے کہ کفار قریش و منافقین کی طرح ہریجنوں کے اسلام کو غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کا حکام طبقہ بھی ناپسند کر رہا ہے اور دبے کچلے ہوئے عوام کے ضمیر کی آزادی و جرأت مندانہ فیصلے کو صرف اپنا حق سمجھتا ہے اور انھیں ضمیر، عقیدے اور اظہار رائے کی دستوری آزادی سے بھی محروم رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن اللہ نے اس وقت بھی پروا نہ کی۔ جب سرداران قریش اور اعیان مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تقریباً اس پر راضی کرلیا تھا کہ جب وہ آپ کی مجلس میں آئیں تو غریب اور کم ذات لوگ وہاں سے اٹھ جائیں، آپ نے غایت شفقت اور تبلیغ کی امید میں یہ شرط منظور کرلی تھی مگر اس پر یہ خدائی تنبیہ نازل ہوئی اور آپ اپنے فیصلے سے باز رہے۔

ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ ما علیک من حسابھم من شیئ وما من حسابک علیھم من شیئ فتطردھم فتکون من الظلمین وکذلک فتنا بعضھم ببعض لیقولوا اھؤلاء منّ اللہ علیھم من بیننا الیس اللہ باعلم بالشکرین ۝ (الانعام ۵۲-۵۳)

(اور ان لوگوں کو نہ نکالیے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں جس سے خاص اسی کی رضا ہی کا قصد کرتے ہیں، اُن کا حساب ذرا بھی آپ کے متعلق نہیں اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں کہ آپ ان کو نکال دیں

آپ نامناسب کام کرنے والوں میں ہو جائیں گے اور اسی طرح ہم نے ایک کو دوسروں کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ لوگ کہا کریں کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے اللہ نے ان پر فضل کیا، یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حق شناسوں کو خوب جانتا ہے)

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

سورۂ کہف میں بھی آنحضرتؐ کو اسی سلسلے میں تنبیہ اور مخاطب کیا گیا اور مومنین کو ترجیح دینے کا حکم ہوا:

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغدوۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عیناک عنھم ترید زینۃ الحیوٰۃ الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھوٰہ وکان امرہ فرطا۔ (الکہف ۲۸)

(اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضاجوئی کے لیے کرتے ہیں اور دنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں (یعنی توجہات) اُن سے ہٹنے نہ پاویں اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور اس کا (یہ) حال حد سے گزر گیا ہے)۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

ہریجنوں کا قبول اسلام اسی پروپگنڈے کی بھی پرزور تردید کرتا ہے کہ ماضی میں اسلام تلوار سے پھیلا، بلکہ اسلام قوموں کا نجات دہندہ بن کر ان کے پاس گیا اور ان کے پاؤں کی بیڑیوں کو کاٹ کر انھیں اخوت و مساوات اور حریت سے آشنا کیا، اسلام نے پہلے بھی اقوام عالم کو ہر طرح کی غلامی سے نجات دلائی تھی اور وہ اس کے لئے آج بھی تیار ہے۔ اس نے بے حیثیت و گمنام قوموں کو پستی سے اٹھا کر تہذیب و ثقافت اور انسانیت کی بلندی پر پہنچا دیا۔ خدا سے امید ہے کہ وہ آج بھی ہزاروں سال کے مظلوم و محروم انسانوں کو عزت، آزادی اور معاشرتی عدل و انصاف سے ہمکنار کریگا اور انھیں اچھا انسان اور سچا مسلمان بنادیگا اور اس کے ساتھ ہندوستان کے اعلیٰ طبقات کو بھی اسلام توفیق بخشے گا۔ اس موقع پر ہمیں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اُس خواب کی تعبیر نکلتی دکھائی دے رہی ہے جسے انکی چشم بیدار نے دیکھا تھا، آپ لکھتے ہیں:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں دو باتیں جمع ہو گئی تھیں، ایک نبوت دوسری آپ کے ذریعے قریش کی سعادت۔ پھر نبوت تمام اقوام کے لئے عام ہو گئی اور فیض نبوت سے اسود و احمر سبھی مستفید ہوئے اسی لیے جب خدا کی مصلحت کلی نے ترکوں کی سلطنت کی وسعت کا تقاضا کیا تو انھیں اسلام قبول کرنے کی توفیق دی اور قریش کی سعادت کے سبب ان کی خلافت طویل زمانے تک برقرار رہی، اور میرا عقیدہ ہے کہ اگر کبھی ہندوستان پر ہندوؤں کا مستقل اور عام غلبہ ہوا تو حکمت الٰہی کا یہ لازمی تقاضا ہوگا کہ وہ اُن کے بڑوں کو قبول اسلام کی توفیق دے جیسی کہ ترکوں کو دی تھی اور یہ آنحضرتؐ کی نبوت کی عالمگیری اور ان کے صاحب ملت ہونے کا بھی تقاضا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف حیثیتیں ہیں اس لئے کبھی کبھی وہ بحیثیت نبی کے کلام کرتے ہیں اور کبھی سعادت قریش کا سبب ہونے سے۔"

(تفہیمات الٰہیہ ۱/۲۰۳۔ بجنور ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء)

اکثریت کے اندیشہ ہائے دور دراز:

افسوس ہے کہ ملک کی اکثریت کو اپنے 'اقلیت' میں ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو رہا ہے اور طرح طرح کی بدگمانیاں پھیلا رہی ہیں اور افواہیں پھیلائی جا رہی ہیں اور سب سے زیادہ الزام، عرب سرمایہ کو دیا جا رہا ہے حالانکہ ملت کی ایک بزرگ شخصیت کے بقول عربوں نے تو اس واقعہ کا نوٹس بھی نہیں لیا ہے۔ حکومت نے تحقیق کے بعد اس الزام کی تردید بھی کی ہے مگر بہت سے حلقوں میں یہ غلط فہمیاں برقرار ہیں۔

صحیح بات تو یہ ہے کہ اسلام لالچ اور جبر و اکراہ کے ذریعے تبدیلیٔ مذہب کا قائل نہیں اس کے یہاں تو ایمان و اخلاص کے سوا کوئی چیز قابل قبول نہیں۔ اس نے عیسائی مشنریوں کی ترغیب و ترہیب کی چالوں سے الگ رہتے ہوئے صرف انسانی ضمیر کو مخاطب کیا ہے اور اسی کے فیصلے کو قبول کیا ہے۔

صداقت و حقیقت میں انسان کے لئے ایک فطری کشش ہے، وہ جب بھی تعصب کی عینک اتار دیتا ہے اور ٹھنڈے دل و دماغ سے کام لیتا ہے تو اسے چیزوں کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے اور باطل کو چھوڑ کر حق کو اختیار کر لیتا ہے۔ جب ضمیر انسانی میں اضطراب برپا ہوتا ہے، جب انسان کا ذہن و شعور جاگ اٹھتا ہے جب اس کی روح کی پیاس بھڑک اٹھتی ہے، جب اس میں سچائی کی طلب پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی خودی بیدار ہو جاتی ہے تو اسے دنیا کا کوئی خوف اور لالچ، جبر و تشدد، اور کوئی مادی رکاوٹ اپنے فیصلے سے روک نہیں سکتی اور سیل و طوفان کو کوئی مصنوعی باندھ اور ڈیم اور سد سکندری یا دیوار چین اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتی۔

"انسانی ضمیر"، انسان کو خدا کا سب سے بڑا عطیہ ہے جو مادیات سے زیادہ روحانیت اور صورت کے بجائے حقیقت کی طرف راغب اور مائل ہے اور وہ بہرحال حقیقت پسندی کا ثبوت دیتا ہے اور رد و قبول کا آخری اور فیصلہ کن معیار ٹھہرتا ہے۔ مذہب و تہذیب، سیاست و ثقافت، علوم و فنون ہر جگہ اسی کی جلوہ گری اور نقش آرائی ہے اور انسانیت اسی کا دوسرا نام ہے ؎

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

آج ہریجنوں اور دوسری اقلیتوں کے دلوں میں حقیقت پسندی اور انصاف طلبی کا جو اضطراب کروٹیں لے رہا ہے وہ آج کے انسان کے شعوری اضطراب و انقلاب اور ذہنی بیداری ہی کا ایک حصہ ہے۔ اب انسان، آزادی و مساوات سماجی انصاف کے سلسلے میں مصالحت نہیں کر سکتا وہ اب حقوق کی لڑائی لڑنے پر مجبور ہو گیا ہے، اب صرف اس کا استحصال ختم کر کے ہی اسے مطمئن کیا جا سکتا ہے، اکثریت کو مسلمانوں کی مذمت کرنے کے بجائے ہریجنوں کی شکایات دور کرنی چاہیے تھیں مگر انکے لیڈر اور شنکر اچاریہ دوسرے اندیشوں میں مبتلا ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ "ہمیں عیسائیت سے نہیں بلکہ اسلام سے خطرہ ہے"۔ حالانکہ سچ پوچھیے تو مذہبی بلاک میں عیسائی ممالک اور غیر مذہبی بلاک میں کمیونسٹ ممالک ہی دنیا کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ عیسائی مشنری عالمی پیمانے پر ترغیب و ترہیب کے ذریعے لوگوں کا استحصال کر رہی ہے اور خود ہندوستان میں بہار کے آدی باسیوں اور پہاڑی وحشی قبائل کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر انھیں عیسائی بنا لیا گیا ہے مگر گورے اور کالے عیسائیوں کا امتیاز برقرار ہے جس کی وجہ سے ہریجن اور قبائلی لوگ عیسائیت سے نکل کر اسلام قبول کر رہے ہیں۔

مسلمانانِ ہند کے فرائض:

مسلمانانِ ہند کو اپنا صدیوں کا بھلایا ہوا فرض یاد کرنا چاہیے اور عمومی تبلیغ دین و اشاعت اسلام کی طرف متوجہ ہونا چاہیے کہ تبلیغ ہی امت مسلمہ کا مقصد وجود ہے "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس"۔ "تبلیغ جہاں اسلام کی اشاعت کا ذریعہ ہے وہیں مسلمانوں کی بقا و حفاظت کا بھی وسیلہ ہے۔ بقول حضرت مولانا الیاس صاحبؒ، "مسلمان اگر داعی نہیں بنیں گے تو دوسروں کے مدعو بن جائیں گے۔"

دوسرے یہ کہ وہ اس ملک کے تمام باشندوں اور خصوصاً ہریجنوں سے اسلامی احکام کے مطابق ہمدردی و فیاضی اور اخلاق محمدی سے پیش آئیں۔ اسلام قبول کرنے والے ہریجنوں کا خیر مقدم کریں اور تالیف قلب اور اخلاقی مدد کے ذریعہ انھیں اسلامی معاشرے سے مانوس کریں۔ اس کے ساتھ ہی غیر مسلموں کو کوئی اشتعال دلانے والی اور چڑھانے والی بات نہ کریں نہ اس سلسلے میں کوئی مادی و دنیاوی فائدے کی توقع قائم کریں نہ اپنی اکثریت کا لایعنی خواب دیکھیں اور نہ کسی خوش فہمی میں مبتلا ہوں۔ بلکہ اس نعمت کو ایک آزمائش سمجھیں جس میں ہمیں ہریجنوں کا مفاد مقدم رکھنا ہے اور انھیں اسلام کی برکات سے فیضیاب ہونے کی تمام سہولتیں فراہم کرنا ہیں اور اس بات کو پیش نظر رکھنا ہے کہ ہم اسلام کے اجارہ دار نہیں بلکہ متولی و امین (Trustee) ہیں اس لئے ہمیں اس امانت کو اس کے مستحقوں تک پہنچانا اور اس وقف عام اور دولت مشترکہ (Common wealth) کو سب کے لئے کھلا رکھنا ہے۔ بہ حیثیت مجموعی ہمیں نظم و ضبط، جماعتی زندگی، خوش اخلاقی، جرأت و ذہانت، حکمت و تدبر اور ایک زندہ قوم ہونے کا ثبوت دینا ہے۔ فتح مکہ کے بعد جب یدخلون فی دین اللہ افواجا کا منظر سامنے آیا اور قبائل عرب تیزی سے مسلمان ہونے

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

مصر میں ریڈیو اور ٹی، وی پر دینی پروگرام بند

اسلام پسند اساتذہ برطرف۔ ہر طرف سیکولرازم کا دور دورہ

مصری صدر انور السادات نے ملک میں دینی رجحان رکھنے والے افراد کے خلاف جو اقدامات کئے تھے اس کا نشانہ صرف اسلام پسند ہیں، ان کے اخبارات و رسائل بند کر دیئے گئے ہیں، اہم لیڈر قید میں ڈال دیئے گئے ہیں اور تازہ ترین اطلاع کے مطابق مصری قومی اسمبلی نے صدر سادات کے اس اشارہ کی توثیق کر دی ہے کہ کلیۃ اصول الدین اور کلیۃ الشریعۃ کے نصاب سے وہ تمام کتابیں اور موضوعات نکال دیئے جائیں جن میں ادیان کا تقابلی مطالعہ ہے اور نصاب کو اس طرح پر مرتب کیا جائے جو سیکولر ہو، اس کے علاوہ مذکورہ دونوں فیکلٹی سے ایسے اساتذہ کو برطرف کر دیا گیا ہے جو اسلام پسند تھے یا تبلیغ دین وغیرہ میں حصہ لیتے تھے اور اسی طرح کے احکامات انجینئرنگ کالج اور میڈیکل کالج کو بھی دیئے گئے ہیں اور کلیہ اصول الدین والشریعہ کی طرح اس میں بھی کارروائی کی جا رہی ہے، اسلام کو عوام سے دور رکھنے کے لئے ٹی، وی اور ریڈیو پر دینی اور اسلامی پروگرام پر پابندی لگا دی گئی ہے اس کی جگہ سیکولرازم اور لادینی پروگرام ترتیب دئے گئے ہیں جس میں اباحیت کی تعلیم دی جا رہی ہے نیز مصر کو بیرونی دنیا سے منقطع کرنے کے لئے غیر ملکی اخبارات کے داخلہ پر پابندی لگا دی گئی ہے اور خاص طور سے دینی رجحان رکھنے والے اخبارات و رسائل تو بالکل ہی ممنوع ہیں اور اگر اس قسم کے اخبارات و رسائل کسی کے نام جاتے ہیں تو مرسل الیہ سے پوچھ گچھ ہوتی ہے اسی طرح دینی کتابوں کی اشاعت وزارت، ثقافت کے بغیر ہو سکتی ہے جب کہ اس سے قبل اس طریقہ کو جامع ازہر انجام دے رہا تھا۔

ترکی میں اسلامیات کی تعلیم لازمی کر دی گئی ہے

رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری شیخ محمد علی الحرکان نے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کو ایک تفصیلی تار میں مطلع کیا ہے کہ ترکی کے فوجی حکمران جنرل کنعان ایوران نے حال ہی میں ٹیلی ویژن کے ذریعہ اعلان کیا ہے کہ ترکی کے تمام اسکولوں کے نصاب میں اسلامیات کی تعلیم لازمی کر دی گئی ہے۔

قارئین تعمیر حیات کو اس بات کا علم ہوگا کہ سال گزشتہ ۱۲ر۹ر۸۰ کو ترکی کی افواج نے اقتدار پر قبضہ کر لیا تھا اور پارلیمنٹ کو توڑ دیا تھا، ملک کے آئین کو معطل کر دیا تھا اور فوجی حکومت قائم کر دی تھی اور ملک کے تمام بڑے سیاسی لیڈروں کو بشمول ارکان پارلیمنٹ کے جیل میں ڈال دیا تھا۔ فوجی جنرلوں کی عام روش اسلام پسندوں کے خلاف تھی وہ اپنے کو کمال اتاترک کے مقلد کہتے تھے اور اسلام پسندوں پر اس جرم میں مقدمہ چلا رہے تھے کہ یہ لوگ ترکی میں احیاء اسلام کی کوشش کرتے رہے ہیں اور سلامت ملی پارٹی کے لیڈر اور ارکان جو اسلام پسند بازو کے نام سے منسوب ہیں اور ملک میں احیاء اسلام کی کوشش ترکی دستور کے اندر رہ کر کر رہے تھے جیل میں ڈال دیا تھا اور ان پر اسی جرم میں مقدمہ چلایا جا رہا تھا کہ انھوں نے ملک کے موجودہ نظام کا تختہ پلٹ کر اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ نیز انھوں نے شریعت اسلام اور قرآن کی تعلیم کے لئے مدارس کھولے اور مسجد ایا صوفیا کو واگذار کرنے کی کوشش کی۔ مسلم نوجوانوں کی عالمی تنظیم سے رابطہ قائم کئے اور ان کے اجلاس میں شرکت کی۔ لاطینی حروف کی جگہ عربی حروف کو لانے کی کوشش، اور عبادات میں آزادی کا مطالبہ کیا اور جمعہ کی تعطیل اور شادی کو شرعی طور پر کرنے کا مطالبہ کیا نیز سرکاری لوگوں کو نماز کی طرف راغب کیا۔ مقدمہ میں فوجی وکیل نے سزا کا مطالبہ کیا تھا اور ان میں سے بعض کے لئے ۳۶ سال کے لئے قید کا مطالبہ بھی شامل تھا اور اب سلامت ملی پارٹی کے لیڈروں کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں خبریں دین سے تعلق رکھنے والوں کے لئے انتہائی مسرت انگیز ہے اور جتنی بھی خوشی کا اظہار کیا جائے کم ہے اس سے فال نیک لیتے ہوئے یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ترکی کو اس کا صحیح مقام دے اور احیاء اسلام میں اہم کردار ادا کرنے کا موقع دے۔

یارک شائر میں مسلمان لڑکیوں کے لیے اسکول کا قیام:

آئندہ سال سے یارک شائر میں مسلمانوں کا علاحدہ اسکول قائم کیا جائے گا یہ فیصلہ مسلم ایجوکیشن بورڈ کے زیر اہتمام عالمی تعلیمی کانفرنس منعقدہ لندن مورخہ ۲۲ر اگست میں کیا گیا، جس میں برطانیہ اور مختلف اسلامی ملکوں کے مندوبین کی ایک بڑی تعداد شریک ہوئی تھی۔ کانفرنس نے اس کے علاوہ مسلم ایجوکیشنل بورڈ کے مرکزی دفتر کا قیام، مسلم ایجوکیشنل ریویو کے نام سے ایک ماہنامہ کا اجراء، علمی و تحقیقی ادارے کا قیام، مرکزی لائبریری کا قیام اور یو، کے، کے ہر علاقہ میں آزاد اسکول کے قیام کے لئے تجاویز بھی منظور کی۔

اس تعلیمی کانفرنس میں شرکت کے لئے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کو بھی دعوت دی گئی تھی مگر حضرت نے اپنی مشغولیات کی وجہ سے معذرت کر دی تھی، اور بورڈ کو ایک پیغام بھیجا تھا جس میں انھوں نے یورپ میں مسلمانوں کے تشخص کو برقرار رکھنے کے لئے اسلامی تعلیم کے نظام کی ضرورت پر زور دیا تھا۔

کانفرنس نے برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کے تعلیمی مسائل سے نپٹنے کے لئے ایک ریسرچ یونٹ کے قیام کا بھی فیصلہ کیا ہے، یہ یونٹ مسلم اسکول کے قیام کے منصوبہ کی تفصیلات مرتب کرے گا، نیز برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات پر غور کرے گا اور اسکولوں کے لئے نصاب مرتب کرے گا۔

اس کانفرنس کے مقاصد کو واضح کرتے ہوئے بورڈ کے جنرل سکریٹری جناب مولانا عیسیٰ منصوری نے کہا کہ ہمارے تعلیمی نظام کو غیروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا ہے ہمیں خود اپنے اسکول، اپنا نظام تعلیم اپنا ماحول بنانا ہوگا اور اس مسئلہ میں بورڈ اپنا دائرہ کار صرف تعلیمی امور تک محدود رکھے گا۔

بورڈ نے اپنے اس عزم کا بھی اظہار کیا ہے کہ ہمارا مقصد ملک کے ہر ہر علاقہ میں مسلمانوں کے لئے آزاد اسکول قائم کرنا ہے اور مالیات کی فراہمی کے سلسلہ میں بورڈ کے صدر جناب افتخار احمد ملک نے کہا کہ ہم اپنا مالیاتی انحصار صرف بیرونی امداد پر نہ رکھیں، بلکہ اس معاملہ میں خود کفیل ہونے کے لئے بہت جلد یو، کے میں ایک لاکھ ممبر بنائے جائیں گے اور ہر ممبر کو ایک پونڈ بطور ممبر فیس کے ادا کرنا پڑے گا۔

بقیہ ص: ۱۰

گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ فسبح بحمد ربک واستغفرہ (اپنے رب کی تعریف بیان کیجیے اور اس سے مغفرت چاہیے) اس لئے ہمیں بھی خدا سے زندہ تعلق اور دین کی خدمت و اشاعت کا نیا عہد کرنا چاہیے تاکہ اس کی شکر گزاری سے رحمت حق اور زیادہ متوجہ ہو، ولئن شکرتم لازیدنکم (ابراہیم ۱۴)

بقیہ ص: ۱۲ جہیز

دنیا سے رخصت ہو گئے ہوتے تو ہم مجبور تھے کہ اس معاملہ میں ان کا نمونہ موجود نہیں تو کیا کریں؟ مگر یہاں تو اس کے برعکس شادی بیاہ کا مکمل نمونہ موجود ہے۔ لیکن ہمیں اندیشہ ہے کہ کوئی کام ٹھیک طریقے سے نہیں کریں گے اور بے طریقہ کام کرنے پر جو درگت بنے گی پھر دین و اسلام کی دہلیز پر نقصان کی بھرپائی کا ... ادا بیٹا پچھائیں گے۔

عبدالکریم پاریکھ

جہیز

لگ بھگ ہر قوم میں یہ رواج پایا جاتا ہے کہ رخصتی کے وقت باپ اپنی بیٹی کو پدری محبت کے تحت نیا گھر بسانے کے لئے سامان زندگی دیتا ہے۔ یہ جذبہ ایک فطری جذبہ ہے جس کا ظہور صاحب قرآن جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے بھی ہوا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؓ کے نکاح کے بعد کچھ سامان زندگی عنایت فرمایا، ڈول، چکی وغیرہ۔

گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو "احد پہاڑ" سونے کا بن کر بحکم خداوندی حاضر ہوتا، لیکن ایسا نہیں کیا گیا کہ اس سے غرباء کے دل ٹوٹ جائیں گے کہ ہم اپنی بیٹی کو کچھ نہ دے سکے اس لئے کم سے کم کی ہی مقدار ظاہر ہوئی، اب رہی زیادہ سے زیادہ کی بات، تو اس کے لئے بھی دروازے کھلے ہوئے ہیں، لیکن نام و نمود، ریا و نمائش، سماج میں اپنی ناک اونچی رکھنے کی تمنا نے، ہم نے اس بہترین کام کو رسم و رواج کے چکر میں گھسیٹ لیا۔ جہیز کے مطالبے ہونے لگے، کہ کیا دوگے؟ فلاں چیز لیں گے!! ریڈیو، کار، مکان، نقد وغیرہ!!!

کیا ایک باپ اپنی بیٹی کو پیدائش سے نکاح تک کچھ خرچ کیے بغیر ہی پرورش کیا ہوگا کہ اتنا سامان داماد کی طرف سے طلب کیا جائے کہ بیچارہ باپ یا تو قرض لے کر مطالبہ پورا کرے یا لڑکی کو گھر بٹھائے رکھے۔ جن بھائیوں کی پانچ یا سات یا دس لڑکیاں ہیں ان کا کیا حال ہوتا ہوگا، اس کا اندازہ بہت سے واقعات سے ہوتا ہے کہ کہیں باپ کنویں میں چھلانگ لگا دیتا ہے کہ ایک بیٹی کے نکاح پر طلب کئے جانے والے جہیز کو وہ ادا نہیں کرسکتا تو بقیہ لڑکیوں کے نکاح سے وہ کب اور کیسے فارغ ہوگا؟

باپ خودکشی کرتا ہے — اور ہمارا سماج چپ ہے — کہیں لڑکیاں ضرورت سے زیادہ ایثار کا ثبوت پیش کرتی ہیں کہ ہماری وجہ سے ہمارے ماں باپ کی نیند حرام ہے نہ تو وہ بذریعہ نکاح ہمارے مسئلے کو حل کرسکتے ہیں کہ جہیز کا مطالبہ پورا کرنا ان کے بس کی بات نہیں، اور نکاح نہ ہونے کی صورت میں کس عمر تک باپ کی روٹیاں توڑتی رہیں' لہٰذا ایسے معاملات میں لڑکیوں نے غرق آب ہو کر خود اپنے آپ کو اور اپنے ماں باپ کو اس مصیبت سے چھٹکارا دلا دیا، خودکشی اسلام میں حرام قرار دی گئی ہے مگر یہ بھی دیکھئے کہ خودکشی کرنے کے لئے ایسے موقعہ پر سماج کے رسم و رواج ہی مجبور کرتے ہیں اور الزام آتا ہے اسلام پر ؎

ایک بار اگر سن لیں وہ قصۂ غم میرا
آنکھیں ہی نہیں انکی رخسار بھی نم ہونگے

جہیز کی اس گہما گہمی میں ایک "تلک" بھی آ ٹوٹا، غیر مسلم بھائیوں کے یہاں چونکہ بیٹی کو باپ کی جائداد میں حق وراثت نہیں ملتا تھا، اس لیے باپ زیادہ سے زیادہ سامان اور رقم بیٹی کو دیدینا چاہتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد اسے کچھ ملنے والا تو ہے نہیں! مگر اسلام نے تو نکاح کے بعد بھی عورت کا حق وراثت باپ کے ترکہ میں رکھا ہے۔ پھر ایک مسلم باپ کے لئے کیا مسئلہ ہے کہ وہ آج ہی اپنی معاشی حالت تباہ کرکے ایسا سامان جو دو چار سال کے بعد کباڑی بازار میں بکنے جائے، اس پر اپنی گاڑھی کمائی کو خرچ کرے۔ عام طور پر الماری، ریڈیو، فرنیچر اور آرائش DECO-RATION کے سنگار دان اور ایسی چیزیں لوگ زیادہ خرید کر دیتے ہیں، جس میں دکھاوا خوب ہو، حالانکہ سلائی کی مشین اور دوسری کارآمد چیزیں جو مزید معاشی تعاون کا سبب بن سکتی ہیں تو مناسب مقدار میں یہ چیزیں مفید بھی ہو سکتی ہیں، بہرحال اس معاملے میں مسلمان اب چونک جائے ورنہ وہ دن تو آ ہی گئے کہ تلک اور جہیز کی لعنت سے اس معاشرہ کی مسلم بیٹیاں غیروں سے شادیاں کرنے لگی ہیں۔ اگر اب بھی آنکھ نہ کھلی تو خیر منائیے اپنے پرسنل لا کی۔

اس لعنت کا مظاہرہ بھی خوب ہوتا ہے۔ نکاح کے بعد پہلی رات کو دولہا میاں گھوڑے پر سوار ہی بنے سنورے، سہرے اور پھولوں سے لدے ہوئے کہ صورت بھی نہیں دکھائی دیتی کہ کون صاحب ہیں۔ ساتھ میں باجے گاجے اور برات ہے، پیچھے ڈولی میں دولہن بھی اور سامان جہیز مزدور اٹھائے ہوئے پورے شہر میں بتاتے پھرتے ہیں کہ یہ وصول کرکے لائے ہیں۔ اس بارات کو سڑکوں پر ہزاروں لوگ دیکھتے ہیں۔ شاید کوئی بوڑھا بھیک مانگتا پھرتا ہوا، اس بنی سنوری بارات کو دیکھ کر اپنی بیٹی کا نکاح یاد کرتا ہو جس کی وجہ سے آج وہ اس مصیبت میں مبتلا ہے۔ اگر ایسے کسی دیکھنے والے کے جذبات الفاظ کی شکل میں آئیں تو یہ شعر مناسب ہوگا ؎

بہار آئی ہے اور میری نگاہیں کانپ اٹھی ہیں
یہی تیور تھے موسم کے جب اجڑا تھا چمن میرا

مجھے سب سے زیادہ دکھ اس وقت ہوا جب بارات کے ساتھ جلوس میں پلنگ بھی دیکھا گیا، اور مزید بے شرمی کی تکمیل یہ کہ پلنگ پر بستر، لحاف، اور دو تکیہ بھی سجا کر دکھائے گئے، توبہ توبہ!! باپ کا دل کیا کہتا ہوگا کہ سارے شہر میں اس کی لڑکی ڈولی، تانگہ یا موٹر پر بٹھا کر گھمائی جارہی ہے۔ بیچ میں سجا سجایا پلنگ مع بستر، تکیہ و لحاف کے، سامنے دولہا میاں فاتح اعظم کی حیثیت سے سواری پر جلوہ فرما ہیں۔ گو یہ سواری کرائے کی ہے یہ سب کو معلوم ہے۔

پہلی رات میں کیا کچھ ہونے والا ہے اس کا اندازہ پورے جلوس اور اسے دیکھنے والی عوام کو خوب خوب کرا دیا گیا۔ توبہ توبہ ؎

پاپی نے اشنان کی ٹھانی
گنگا ہو گئی پانی پانی

بھائیو! یہ شرم کی بات نہیں تو اور کیا کہوگے، اسے کتنے غریب باپ اس جلوس کو دیکھ کر بیٹی کے عقود سے کانپ جاتے ہوں گے، اس کا اندازہ کسی مصلح کو خوب ہوتا ہے۔ البتہ اگر مسلم عوام دھیان کریں تو ان کی بھی عقل ٹھکانے آجائے کہ یہ کیا ہوتا ہے ؎

گدائی سے بھی بدتر ہو گیا ہے خالی گھر اپنا
دماغوں سے مگر وہ خوئے سلطانی نہیں جاتی

بارات میں باجے گاجے، مسجد کے پڑوس میں نکاح ہے تو بھی کوئی پرواہ نہیں، ذرا سوچو کہ مسجد کے سامنے باجا بجانے میں کتنے لوگ شہید ہوئے، اگر ہمارے مذہب میں باجا گاجا، ناچ رنگ جائز تھا تو یہ جھگڑے بکھیڑے کیوں کھڑے کیے گئے، ہاں میں جانتا ہوں کہ مسجد کے سامنے گانے بجانے پر مذہبی لوگوں نے یا علماء کرام نے کچھ بھی توجہ نہیں کی، البتہ ہمارے سیاسی لوگوں نے اس کا خوب خوب نفع اٹھایا۔

دوسرے لوگ سڑکوں پر کچھ بھی کریں ہمیں کیا واسطہ!! مگر یہ جاننا چاہیے کہ ہمارے دین میں اس لہو و لعب کی مطلق گنجائش نہیں، یہ دین تو نہایت ہی ذمہ دار اور سمجھ دار لوگوں کا ہے یہاں اس طوفان بدتمیزی کی کہاں گنجائش؟ مگر بھائیو! جب ہم بزرگوں کے مزار پر بھی بجرے اور باجے گاجے سے جاتے ہیں تو اب شادی بارات کے باجے کا رونا کون روئے۔ کیا یہاں اصلاح کی ضرورت آپ کو محسوس نہیں ہوتی۔

صرف جہیز کی اصلاح نہیں پوری زندگی کی اصلاح درکار ہے۔ جان رکھو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔ ہم کو ہماری اصلاح خود کرنا ہے، اور اسی تعلیم پر ہمیں قائم ہونا ہے جو سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سپرد کی ہیں۔ ہمارے سدھار کا یہی ایک واحد راستہ ہے۔

فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ۔

(پس خوشخبری سنا دو میرے ان بندوں کو جو میری بات دھیان سے سنتے ہیں اور ہر اچھے پہلو پر عمل کرتے ہیں)

نزول قرآن کے بعد بہت ساری وہ قومیں جو اپنے دور میں ناتراشیدہ تھیں، کلام اللہ اور سنت رسول اللہ کی تعلیم سے یہ لوگ اپنی زندگی کو بنا کر دار آخرت کی طرف کوچ کر گئے کہ اب وہ اس دنیا میں واپس آنے سے رہے۔ البتہ اپنی زندگی کے وہ نقوش ہمارے یہ بزرگ ضرور چھوڑ گئے ہیں۔ ہم چاہیں تو اس راہ پر چل سکتے ہیں۔

ویھدیکم سنن الذین من قبلکم۔

(خدا چاہتا ہے کہ تم سے پہلے کے اچھے لوگوں کی راہ تم پر واضح کردے۔)

اصحاب کرام، اولیائے عظام، صلحاء امت اور علماء دین اگر بغیر شادی بیاہ کئے

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

مقالہ بسلسلہ کانفرنس حیدرآباد

دینی مدارس میں صنعت وحرفت کی تعلیم

مولانا محمد ولی رحمانی، جنرل سکریٹری مدارس اسلامیہ کانسل۔ استاد جامعہ رحمانی مونگیر (بہار) ایم۔ ایل۔ سی (بہار)

دینی مدارس میں صنعت وحرفت کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ عرصہ سے توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے، حالات جیسے جیسے بدلتے جارہے ہیں، مسئلہ کا سوالیہ نشان اور تیکھا ہوتا جارہا ہے اور دن جتنے جئیں گے اندازہ ہے کہ سوالیہ نشان کا دائرہ اور پھیلتا چلا جائے گا — ماضی قریب تک صورت حال یہ تھی کہ علماء اور اہل علم و قلم کو مادی فکر اور مالی ضروریات کی طرف سے مطمئن رکھنے کی کوشش کیجاتی تھی، اور ہر صاحب ثروت اسے ذاتی ذمہ داری سمجھتا تھا کہ وہ اہل علم و قلم کو فکر معاش سے آزاد رکھے، ریاستیں تھیں جو وظیفے دیا کرتی تھیں۔ جاگیریں تھیں جہاں سے تعاون اور ہمت افزائی ہوتی تھی اور اہل علم و قلم یکسوئی کے ساتھ دین کی تبلیغ کی خدمت انجام دیتے تھے، ہندوستان میں آپ کا شہر حیدرآباد اور فرمانروائے حیدرآباد نے اس معاملہ میں جو فیاضیاں کیں وہ ماضی قریب کی سب سے نمایاں اور قابل قدر مثال ہے اور بھی ریاستیں تھیں جنھوں نے بقدر حوصلہ و ظرف یہ خدمت انجام دی۔ اب نہ وہ ساقی ہے نہ وہ میخانہ، حالات بدلے، انداز بدلا اور معاشرہ جب نئی سمت کی لامعلوم منزل کی طرف روانہ ہوا تو اہل علم و قلم کی معاشی کفالت اور ذاتی ضرورت کی تکمیل مسئلہ بنتا گیا۔ مادی ضرورتیں تو برابر انسان کے ساتھ لگی رہی ہیں، لیکن مادیت کا جیسے جیسے غلبہ ہوا اور انسان کا مرکز ثقل معدہ بنتا گیا تدریجاً اس مسئلہ کا سنگین پہلو نمایاں ہوتا جارہا ہے۔

اب اسے ایمان کی کمزوری کا نام دیجئے تقویٰ اور توکل کی کمی کہئے یا مادیت کا زور! لیکن یہ حقیقت ہے کہ نئی نسل کے اہل علم و قلم اور دین کا درد رکھنے والوں کے لئے یہ سوال بڑا اہم ہوچکا ہے، وہ چاہتے ہیں کہ دینی علم کے ساتھ مادی ضرورتوں کی تکمیل کی یقینی راہ بھی طلبہ اور علماء کے سامنے رہے اور جب مدارس اسلامیہ کے طلبہ فارغ التحصیل ہوں تو مادی مطالبات انہیں پریشان نہ کریں یہ احساس دردمندی کی علامت ہے اور لوگ چاہتے ہیں کہ اس معاملہ کا حل نکل آئے۔

مدارس، وادی پُرخار میں:

ملکی حالات اور مستقبل کے نقشہ پر جن کی نگاہ ہے وہ جانتے ہیں کہ ہمارے ملک میں تقسیم دولت کا جو نظام رائج کیا گیا اس میں کسی طبقہ پر بوجھ پڑے یا نہ پڑے متوسط تاجر اور عام کسان بہت متاثر ہوا ہے، ہر ایک خاندان پھیلتا جارہا ہے اس لئے فطری طور پر دولت کی تقسیم ہو ہی رہی ہے، لیکن حکومت نے ارتکاز دولت کے خلاف اور تقسیم دولت کے لئے جو طریقے اپنائے ہیں اس سے ایماندار تاجر اور کسان متاثر ہوئے ہیں، ریاستوں کے سقوط اور زمینداری کے خاتمے کے بعد ہمارے معاشرہ کے یہی دو طبقے ہیں جو دینی کاموں میں بھی نمایاں حصہ لیتے رہے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ تاجر اور کسان طبقہ نے اتنی ہمت اور حوصلہ کا ثبوت دیا ہے کہ زمینداری اور ریاستوں سے ملنے والی سہولتوں کا تقریباً بدل بن چکے ہیں لیکن حالات کے تیور بتاتے ہیں کہ یہ دونوں طبقے بھی زیادہ مضبوط نہیں رہ سکتے، اس لئے دوراندیش نظریں مستقبل کے خطروں کا بھی احساس کر رہی ہیں۔

ایک چلتی ہوئی تجویز:

حال کا جو نقشہ اور مستقبل کا جو خطرہ ہے اسے حل کرنے کے لئے ذہنوں میں جو تجویز آتی ہے کہ مدارس میں دینی اور کتابی تعلیم کے ساتھ صنعت وحرفت کا شعبہ بھی رکھا جائے۔ طلبہ ایک طرف دین کا علم سیکھیں اور دوسری طرف کوئی ہنر بھی جان لیں اور جب وہ فارغ ہوں تو ان کا دل و دماغ علوم دینیہ کا خزانہ ہو، اور ان کے ہاتھوں میں کوئی ہنر، تاکہ وہ ہنر کے ذریعہ روٹی روزی کا نظم کریں، اور اپنے علم سے لوگوں کی پیاس بجھا سکیں، تبلیغ دین جاری رہے، علم و تحقیق کا کام بھی ہوتا رہے، اور ہنر معاشی امور کا حل نکالتا رہے۔

تجویز کے دو پہلو:

یہ تجویز دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک دینی علوم کو حاصل کرنا اور اسے پھیلانا دوسرے کسی ہنر کا سیکھنا اور اسے مستقبل میں وسیلہ معاش کے طور پر اختیار کرنا۔ ہمیں تجویز کے ان دونوں حصوں پر غور کرنا چاہئے، تبھی کچھ واضح صورت حال سامنے آئے گی اور ٹھوس نتائج برآمد ہونگے۔

مدارس اور علماء کی منزل:

مدارس اسلامیہ کے قیام کا مقصد یہ رہا ہے کہ وہ دینی علوم کی تعلیم و تعلم کا مرکز بنیں اور ایسے افراد تیار کئے جائیں جو مستقبل میں دینی علوم کے امین اور ترجمان ہوں، وہ اسلام کے مزاج، انسان کی ضرورت اور زمانہ کے تیور کو سمجھ سکیں، دین کی تفہیم و تشریح کی ذمہ داری قبول کریں اور اسلام کی تبلیغ کریں۔ مدارس کے قیام اور پوری دنیا میں اس کا جو نظام ہے اس کے پس پشت یہی جذبہ رہا ہے اور یہ جذبہ دراصل قرآن مجید کا عطیہ ہے "فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم"۔ جن مقدس لوگوں نے ہمارے معاشرہ میں مدارس کو عملی شکل دی اور جن لوگوں نے ابتک اس شکل میں رنگ بھرا ہے، اسے نکھارا اور سنوارا ہے۔ انہیں اسی آیت سے حوصلہ ملتا رہا ہے، ان کے سامنے یہ حقیقت رہی ہے کہ پوری ملت یا ملت کے اکثر و بیشتر افراد زندگی کے تمام کاموں سے کٹ کر دینی علوم حاصل کریں، یہ ممکن نہیں ہے، اس لئے ایک جماعت تیار کردی جائے جو علوم دینیہ کی امین اور ترجمان ہو جس کا محور فکر دینی علوم کی اشاعت ہو، اور جو زندگی کے سرد و گرم سے بے نیاز ہوکر رضائے الٰہی کی خاطر، سنت نبوی صلعم کو زندہ کرنے اور دین کے علم کو ترقی دینے کے لئے اپنی زندگی وقف کردیں۔ یہ جماعت پورے اخلاص اور امانت داری کے ساتھ دین کی تعلیم کو عام کرے اور قرآن مجید کے اشارہ کے مطابق حصول علم کے لئے گھر چھوڑے علم میں مہارت حاصل کرے، اور جب وطن لوٹے تو قوم کو پورے طور پر سمجھائے، "ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم" اور یہ حکم کسی سال یا صدی، کسی ملک یا مخصوص خطہ سے متعلق نہیں ہے بلکہ ایک مسلسل عمل ہے جسے امت مسلمہ کے وجود کے ساتھ باقی رکھنا ہے۔ قرآن مجید نے امت دعوت کو یہ ہدایت بھی دی ہے، ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر (تم میں ایک جماعت ہونی چاہئے جو بھلائی کی دعوت دیتی رہے)۔

مدارس کا قیام اور طلبہ کا مدارس میں تعلیم حاصل کرکے دینی علوم میں مہارت حاصل کرنا ارشاد خداوندی کا لازمی اثر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی بھی صراحت فرمائی کہ یہ علم [illegible] برتری کے لئے حاصل کیا جائے نہ شہرت اور عزت کے لئے، نہ اس علم کو دنیاوی منافع کے حصول کی منزل سمجھ کر اپنایا جائے، بلکہ یہ علم صرف خدمت اور تبلیغ کی خاطر سیکھا جائے۔ اور یہ صراحت نبوی اس لئے ہے کہ اگر علوم دینیہ کو مادی منافع کا سنگ میل بنا لیا جائے تو علوم دینیہ کی خرید و فروخت شروع ہو جائے گی اور علماء یہود کی طرح آیات الٰہی کو چند سکوں کے عوض بیچا جائے گا، اسی لئے راہ علم دین کے مسافر کو ہدایت دی گئی کہ وہ پہلے اپنی نیت صاف کرے اپنے آپ کو ہر طرف سے یکسو کرے، اخلاص اور توکل کو شعار بنائے اور ایثار کو زندگی کا نشان سمجھے کہ آنے والے دنوں کی تھکان اور سختیاں مسافر

علم کے پائے استقامت کو ڈگمگا نہ سکیں اور تبلیغ دین کا سپاہی کہیں تھک کر ہمت نہ ہار دے۔

یہ ہدایتیں اس لئے دی گئیں کہ جو شخص یا جماعت علوم دینیہ کی امین ہوگی اور اس کی اشاعت کی ذمہ داری قبول کرے گی، اس کا کام پھیلا ہوا ہوگا اس کی دینی ذمہ داری اتنی طویل ہوگی کہ پھر وہ دوسرے کاموں کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے سکے گی اور یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ علم و تحقیق، وعظ و تبلیغ، یا درس و تدریس کا کام کرتے ہیں اور اسے عبادت سمجھ کر انجام دیتے ہیں ان کے پاس دوسرے کاموں کی طرف متوجہ ہونے کا وقت یا تو ہوتا نہیں اور ہوتا ہے تو بہت کم۔ ان کے کاموں کی وسعت اور علمی کاموں کی یکسوئی جو لازمی ضرورت ہے کے پیش نظر برابر یہ طریقہ رہا ہے کہ ایسے لوگوں کو صرف علمی اور دینی کاموں کے لئے فارغ رکھا جائے، ان کی ضرورتیں پوری کی جائیں اور انھیں صرف راہ علم و دین میں مصروف رکھا جائے، ماضی میں اشخاص و افراد ایسے اداروں اور علمی شخصیتوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور اب مختلف جماعتیں اور ادارے دینی اور علمی کارواں کے مسافروں کو زاد راہ پیش کرتے ہیں۔

خامیاں ہیں لیکن....!

ہمارے مدارس کا جو نصاب تعلیم ہے اس میں عربی کے ذریعہ علوم اسلامیہ کی تکمیل کرائی جاتی ہے۔ نحو میر اور میزان سے لیکر بخاری شریف تک کی تعلیم بچوں کے لئے ضروری ہے اور ممکن۔ لیکن جو لوگ اس پورے نصاب کو پڑھتے ہیں ان سے یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ وہ فارغ ہو کر علوم سے اچھی طرح واقف اور علوم دینیہ کے خادم بنیں گے اور قرآنی آیات کا مصداق ثابت ہوں گے، مجھے اس سے انکار نہیں کہ آج جو لوگ فارغ ہو رہے ہیں ان میں بہت سی خامیاں ہوتی ہیں میں یہ کہہ کر ان خامیوں کو ہلکا کرنا بھی صحیح نہیں سمجھتا، کہ دوسری تعلیم گاہوں کے فرزندوں کا دامن بھی علم سے خالی ہوتا ہے یا وہاں بھی طرح طرح کی خامیاں پائی جاتی ہیں۔ ایک فرد یا ادارہ کی غلطی یا کمی دوسرے کے لئے وجہ جواز نہیں بن سکتی، مدارس اسلامیہ کے فارغین میں مختلف قسم کی کمی پائی جاتی ہے، جس کی بڑی وجہیں تین ہیں۔

ایک تو وہ ماحول اور حالات ہیں۔ جہاں سے نکل کر طلبہ مدرسہ میں آتے ہیں۔ ہمارے مدارس میں عام طور پر وہ بچے علم دین حاصل کرتے ہیں، جن کے گھروں میں کبھی علم کا چراغ روشن نہیں ہوا، جنہیں تہذیب و ثقافت کی ہوا بہت دور سے اور بڑی دیر سے چھوتی ہے ایسے خام مال سے کس طرح کی چیز تیار ہوگی۔؟

دوسری چیز خود مدارس کے اساتذۂ کرام ہیں۔ عام طور پر ان میں جذبۂ خدمت علم کو منتقل کرنے کا حوصلہ اور سلیقہ اور طلبہ کی تعمیر کی تڑپ میں کمی محسوس ہوتی ہے۔

تیسری چیز نصاب تعلیم ہے، مدارس کا موجودہ نصاب لازمی اور فوری تبدیلی کا محتاج ہے۔ ابھی یہ نصاب وقت کی ضرورتوں سے بہت پیچھے ہے۔ لیکن ان تمام خامیوں کے باوجود بھی لوگ اور یہی ادارے ٹھوس دینی تعلیمی خدمت انجام دے رہے ہیں، اور برُے حالات میں بھی علوم دینیہ کی شمع روشن رکھے ہوئے ہیں ان پر بہت کچھ تنقید ہوسکتی ہے۔ ہوسکتا ہے کچھ لوگ انھیں معاشرہ کو تاریکی کی طرف لے جانے کا ذریعہ سمجھیں، مگر نا قدر زبانوں کے وہ ہاتھ بھی تو نظر نہیں آتے جو ان تاریکیوں کے خلاف جہاد کر سکیں، چراغ جلا کر!

مدارس میں صنعتی تعلیم:

ان مدارس کے فارغین کا جو مقصد ہے ان کا جو طریقہ کار اور وسعت کار ہے اور ان کی جو متعین منزل ہے اسے دیکھئے اور پھر جائزہ لیجئے کہ صنعت و حرفت کو ہم کہاں کہاں فٹ کر سکیں گے؟ کس طرح دونوں ساتھ چلیں گے، اور نتائج کیا ہوں گے؟

صنعتی اور دینی تعلیم (معروف اصطلاح میں) کو یکجا کر دینے کے نتائج کیا ہوں گے؟ اس کا نتیجہ بعد میں لیجئے گا اس سے قبل ایک اہم تعلیمی اور تدریسی نکتہ اور طلبہ کی نفسیات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے، یہ حقیقت ہے کہ طلبہ کے ذہن پر تعلیم کا براہ راست اثر پڑتا ہے اور تعلیم جیسی اور جتنی بلند ہوگی اس میں طلبہ کی ذہنی سطح کو بلند کرنے کی اسی درجہ زیادہ صلاحیت ہوگی، قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر، عقائد و کلام کی لطیف، ایمان افروز اور فکر انگیز بحثیں طالب علم کے اخلاق و کردار ہی کو استوار نہیں کرتیں، بلندیٔ فکر بھی عطا کرتی ہیں، اور طلبہ کے غور و فکر کے انداز کو بھی پورے طور پر متاثر کرتی ہیں، دوسری طرف ٹیکنیکل ایجوکیشن کا رجحان دوسرا ہوتا ہے۔ ایک طالب علم جلالین، ہدایہ اور جامع صحیح جیسی کتابیں پڑھ کر آئے اور پھر اسے میکنک کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنا پڑے اور ان گھنٹوں Periods میں شریک ہونا پڑے تو دونوں کی ذہنی سطح اور انداز فکر میں جو فرق ہے طلبہ کو اس سے دوچار ہونا پڑیگا جو تعلیمی نفسیات کے خلاف ہے، یہ فکری اور تدریسی Diversion ماہرین تعلیم کے لئے غور کرنے کی چیز ہے۔

لیکن اگر اسے نظر انداز کر دیا جائے تو نصاب تعلیم کو مرتب کر دینے کے لحاظ سے یہ کوئی بہت مشکل کام نہیں ہے کہ مدرسہ کے نصاب میں تھوڑا سا وقت صنعتی تعلیم کے لئے فارغ کر دیا جائے اور طلبہ کو صنعتی تعلیم دی جائے۔ لیکن ہمیں صاف لفظوں میں بتانا چاہیئے کہ جب ہم صنعتی تعلیم کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد کیا ہوتی ہے؟۔ ایک صنعتی تعلیم تو یہ ہے کہ کسی کو خیاطی کا کام سکھا دیا جائے۔ ویلڈنگ اور لیتھ مشین پر کام کرنے کے قابل بنا دیا جائے لکڑی کے سامانوں کی تیاری کی مشق کرا دی جائے، چرم، نوم اور ریگزین کے بیگ، بریف کیس اور ایسی ہی دوسری چیزیں بنانے کی صلاحیت پیدا کر دی جائے۔ یا ریڈیو، ٹی۔ وی، فرنیچر وغیرہ کی اصلاح کا کام سکھا دیا جائے۔ ان کاموں کو سکھانے کے لئے مدارس میں ایک شاخ قائم کی جاسکتی ہے، اور نو سالہ عربی کے نصاب تعلیم میں روزانہ اگر پینتالیس منٹ کا وقت ان کاموں کے لئے خاص کر دیا جائے تو بڑے اطمینان سے طالب علم فارغ ہونے کے ساتھ کوئی ایک "ہنر" سیکھ سکتا ہے، لیکن ایسا ہنر اور ایسی صنعتی تعلیم بالکل ابتدائی درجہ کی ہوگی۔

دوسری صنعتی تعلیم یہ ہے کہ مختلف صنعت و حرفت کی باقاعدہ تعلیم اور ٹریننگ دی جائے، جس کے لئے مختلف قسم کے کورس اور ٹریننگ ہمارے ملک میں رائج ہیں، خواہ لیدر ٹیکنالوجی کی شکل میں ہو یا ریڈیو ٹی وی انجینئرنگ کورس کی شکل میں یا کسی اور شکل میں۔ اس طرح کی صنعتی تعلیم کے لئے دو سال سے چھ سال تک کے کورس رائج ہیں، اس سے قبل طلبہ کو اس انداز میں اور ایسی تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ ایسے کسی معیاری صنعتی شعبہ کا علم حاصل کر سکیں۔ ان کی حیثیت مستقل فن اور فلسفہ کی ہے، اور اس کی بڑی وسیع دنیا ہے جس میں روز نئے باب کا اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، اسے جزوی یا اضافی شعبہ تعلیم سمجھنا فن کے ساتھ زیادتی ہوگی۔

میرا خیال ہے کہ صنعتوں کی معیاری اور اعلیٰ تعلیم کو اگر مدارس کی تعلیم کا ایک حصہ بنا دیا جائے اور علوم اسلامیہ کے ساتھ ان کی تعلیم و تربیت کا بھی نظم کر دیا جائے تو اس سے اعلیٰ صنعتی تعلیم کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ ساتھ ہی ایسا ملا جلا نصاب طلبہ پر اتنا بڑا بوجھ ہوگا کہ وہ اسے برداشت نہیں کر سکیں گے۔ اس کے لئے علاحدہ وقت فارغ کرنا ضروری ہوگا، اور برسوں لگانے ہوں گے لیکن اگر اسے مان لیا جائے کہ ہم مدارس کے نصاب کو ۹ سال سے بڑھا کر پندرہ سال کا بھی کر دیں اور طلبہ کو دونوں علوم کا ماہر بنا دیں تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اسی طرح اس پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ اگر ہم مدارس کے نصاب میں جزوی اضافہ کر دیں اور ہلکی پھلکی صنعتی تعلیم کو نصاب کا ایک حصہ بنا دیں تو مستقبل میں اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

نتیجہ کیا ہوگا؟:

ہلکی پھلکی صنعتی تعلیم کے نتیجہ میں ٹرینڈ مزدور تیار ہو جائیں گے، اور طلبہ میں عالم دین ہونے کے ساتھ یہ استعداد بھی ہو جائے گی کہ وہ چھوٹی صنعتوں میں مزدور کی حیثیت سے اپنے آپ کو لگا سکیں، اور مستقبل میں اگر خدا کی دی ہوئی صلاحیت و ذہانت کو وہ کام میں لائیں اور انہیں حالات کی رفاقت حاصل ہو جائے تو وہ چھوٹے کارخانہ دار بن جائیں

اس مزدوری اور کارخانہ داری سے بھی معاشی ضرورت کی تکمیل اسی وقت ہوگی جب اس میں پورا وقت لگایا جائے۔ روزانہ دو تین گھنٹے کام کر کے نہ کوئی کام چھوڑتا ہے اور نہ دو تین گھنٹوں کی محنت کے بعد کوئی اپنا خاندان چلا سکتا ہے، اس لئے یہ کام ہمہ وقتی ہوگا، پھر کہیں نتیجہ خیز ہو سکیگا اسی طرح صنعتوں اور حرفتوں کی معیاری اور اعلیٰ تعلیم کا معاملہ ہے۔ اگر مدارس کے نصاب تعلیم میں غیر معمولی تبدیلی لائی جائے اور ایسا نصاب بنا دیا جائے جسے پڑھ کر ایک شخص بیک وقت عالم اور انجینئر دونوں ہو۔ تو ایسا شخص زندگی کے میدان میں کیا رُخ اختیار کرے گا۔؟ ہمیں یہ حقیقت نظر انداز نہیں کرنی چاہیئے کہ ہمارے ملک میں باقاعدہ سند یافتہ دو لاکھ سے زیادہ انجینئر اور ڈاکٹر بیکار ہیں، اور اپنے گرانمایہ فن کو چھوڑ کر دوسری راہوں سے رزق حاصل کر رہے ہیں، ان کی بیکاری حکومت اور معاشرہ کے لئے اہم مسئلہ ہے۔ پھر عالم انجینئر اگر اپنی فنی تعلیم سے رزق حاصل کرنا بھی چاہیں اور حالات ان کے ساتھ بھی ہو جائیں تو جز وقتی کام۔ Part time job کے ذریعہ اپنے معاشی مسائل کا حل نہیں کر سکتے۔ انہیں اس کے لئے پورا وقت اور پوری صلاحیت صرف کرنا ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ چھوٹی صنعتی تعلیم ہو، یا باقاعدہ صنعتی تعلیم دونوں ہی معاشی مسائل کا حل اس وقت بنتے ہیں جب کوئی شخص اس فن سے بدلے اور پورا وقت لگائے۔ اب غور فرمائیے کہ عالم مزدور یا عالم انجینئر اگر پورا وقت اور پوری توانائی صنعت و حرفت میں صرف کرے گا تو علم دین کی نشر و اشاعت، مطالعہ و تحقیق اور تصنیف و تالیف، درس و تدریس کا وقت کہاں سے لائے گا، یہی نہیں بلکہ خود یہ سوال بھی اٹھ کھڑا ہوگا کہ جس علم دین کو اس نے برسوں کی محنت و ریاضت کے بعد حاصل کیا ہے۔ جب اسے کارخانہ میں پورا وقت لگانا ہوگا، تو یہ "علم صالح" اس کے سینہ میں رہے گا، یا چمنی کے دھواں کے ساتھ اڑ کر فضا میں بکھر جائے گا۔

دو مستقل راہیں:

دراصل یہ دو مستقل راہیں ہیں اور دونوں کے اپنے اپنے مطالبات اور تقاضے ہیں، جزوی طور پر دونوں میں سے کسی ایک کام کو کیا جائے تو اس کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ صنعت و حرفت کا علم اتنا پھیل چکا ہے اور صنعتی زندگی خود اتنی پر پیچ بنی ہوئی ہے کہ اس میں جو جس سطح پر رہے گا اسے اپنی صلاحیت، کام کی نوعیت، اور اپنی ضرورت کے پیش نظر پورا وقت دینا ہوگا ورنہ اسے وہ فوائد حاصل نہ ہوں گے جن کے پیش نظر اس نے صنعتی تعلیم حاصل کی تھی۔ اسی طرح دینی علوم کے حاصل کرنے، ان میں امتیاز پیدا کرنے اور اسکی نشر و اشاعت کا معاملہ ہے، ایک تو یہ علوم لطیف ہیں، پھر جزوی طور پر اگر انھیں انجام دیا جائے تو ان کا حق ادا نہیں ہوسکتا ان کے لئے یکسوئی، طمانیت اور جہد پیہم کی ضرورت ہے۔ ان دونوں راہوں کو ملا دیا جائے اور طلبہ پر دو طرفہ ذمہ داری عائد کر دی جائے۔ تو اس اقدام کے خوشگوار نتائج سامنے نہیں آئیں گے ؎

بس ایک قدم چلے تھے غلط راہ شوق میں
منزل تمام عمر مجھے ڈھونڈتی رہی

تجویز کا پس منظر:

مجھے شبہ ہے کہ جب مدارس اسلامیہ میں صنعتی تعلیم کی تجویز پیش کیجاتی ہے تو ذہن میں یہ بات رہتی ہے کہ اس طرح کا فارغ اپنی داخلی زندگی میں پکا مسلمان ہوگا، دینی احکام پر عمل کریگا اور روزی روٹی کے لئے صنعت کی راہ اختیار کرے گا اسے درس و تدریس، وعظ و تبلیغ کی ذمہ داری نہیں ادا کرنی ہوگی۔ اگر تجویز کا پس منظر یہ ہے تو اسے بھی غور کر لیجئے کہ میزان سے لیکر بخاری شریف تک کے پڑھانے کا فائدہ کیا؟ ہمارا یہ نصاب کسی کو صرف اچھا اور پکا مسلمان بنانے کے لئے نہیں ہے ہمارے اس نصاب کا مقصد ذی استعداد ماہرین علوم دینیہ پیدا کرنا ہے، جو دین کے ترجمان بھی ہوں، جو علم دین پر پڑنے والے زمانہ کے گرد و غبار کو دھو سکیں، جو قانون شریعت کی گتھیوں کو سلجھا سکیں اور ایسا اسی وقت ہوگا جب کوئی شخص اپنی پوری صلاحیت اور توانائی دین کے کاموں کے لئے وقف کر دے اور اگر مقصد "دین پر عمل کرنے والا پکا مسلمان انجینئر" بنانا ہے تو اس کے لئے میزان سے بخاری تک پڑھانے کی ضرورت نہیں۔ یہ طول عمل بھی ہے اور طول امل بھی۔ اس سلسلہ میں ایک دوسری راہ اپنائی جاسکتی ہے۔

حل یہ ہے!

مدارس میں آج جو بھیڑ جمع ہے مقصد اور کام کی جہت سے نا آشنا فارغین کی جو کھیپ تیار ہو رہی ہے اس پر غور کرنا چاہئے اور ضرورت ہو تو اس میں انقلابی تبدیلیاں لانی چاہئیں۔ میرا احساس ہے کہ ہر طالب علم کو ماہر علم دین بنانے کی کوشش نہ مفید ہے نہ صحیح، نہ ہر طالب علم میں اسکی استعداد ہوتی ہے اور نہ ہر شخص کے حالات اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اس لئے ہونا یہ چاہئے کہ مدارس کے ذمہ دار اور علمائے کرام دو قسم کا نصاب تعلیم بنائیں ایک تو ان تمام طلبہ کے جو مدارس میں آتے ہیں، انہیں تین برسوں میں اردو کے ذریعہ دینیات سے واقف کرایا جائے، عقیدہ، حدیث، فقہ اور تاریخ کی تعلیم دی جائے اور ان میں اتنی استعداد پیدا کر دی جائے کہ وہ دین کو اچھی طرح سمجھ لیں، اور مطالعہ کے ذریعہ دینی علوم کو آگے بڑھا سکیں ان کی اخلاقی تربیت ہو، ساتھ ہی انھیں چھوٹی صنعت کی تعلیم دیجائے، اور جو دینی صنعتی تعلیم حاصل کرنا چاہیں انہیں جزوی دینی تعلیم اور اسلامی تربیت کے ساتھ اعلیٰ صنعتی تعلیم کی سہولت بہم پہنچائی جائے، ان پر عربی علوم اور براہ راست قرآن و حدیث کے سمجھنے کا بوجھ نہ دیا جائے، بلکہ اردو کے ذریعہ دینی تعلیم کے ساتھ ان طلبہ کو صنعتی تعلیم سے آراستہ کیا جائے اور ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ وہ اپنے حاصل کئے ہوئے ہنر کے ذریعہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو سکیں۔ اور انہیں طلبہ میں کچھ ایسے افراد کو منتخب کر لیا جائے جنھیں خدا تعالیٰ نے امتیازی صلاحیت اور لیاقت دی ہے، جنہیں خدمت کا رجحان، خلوص کا انداز، ایثار کا جذبہ توکل کے آثار اور دین کی خاطر کچھ کرنے کا عزم ہو۔ ان منتخب طلبہ کو منتخب تعلیم گاہوں میں عربی زبان کے ذریعہ علوم اسلامیہ سے واقف کرایا جائے۔ حالات کے پیش نظر نصاب تعلیم مرتب کیا جائے۔ بارہ برس ان کی ایسی تعلیم و تربیت کی جائے کہ وہ واقعتاً عالم دین اور خادم دین بن جائیں، یہ حضرات اپنا پورا وقت دینی کاموں یعنی دینی علوم کی تحقیق، تصنیف و تالیف اور دین کی نشر و اشاعت میں خرچ کریں، ملی ادارے انہیں کارخانوں میں نہیں، علم کی شمع روشن رکھنے میں مصروف رکھیں اور ان کی کفالت کچھ اس انداز سے کریں کہ سخاوت کو شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

جسے کہنا ہی پڑتا ہے!

یہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری کہ ایسے حضرات کی مادی حالت اچھی ہی ہو ضروری نہیں ہے، ان کا مستقبل تنگی اور ترشی سے گذر سکتا ہے اور اس حقیقت کی طرف خود قرآن نے اشارہ کر دیا ہے: "للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبہم الجاہل اغنیاء من التعفف تعرفہم بسیماہم لا یسئلون الناس الحافا وما تنفقوا من خیر فان اللہ بہ علیم" (خاص طور پر وہ تنگ دست حضرات تمہارے تعاون کے مستحق ہیں جو خدا کی راہ میں اس طرح گھرے ہوئے ہیں کہ حصول معاش کے لئے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ انجان آدمی ان کی خودداری کو دیکھ کر سمجھتا ہے کہ وہ خوشحال ہیں، تم انہیں ان کے چہرے سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے گڑگڑا کر نہیں مانگتے ہیں اور تم جو مال بھی خرچ کروگے اللہ تعالیٰ اسے اچھی طرح جانتا ہے۔)

یہاں دینی کام کرنے والوں کے لئے "فقراء" کا لفظ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مستقبل میں ان کی مادی حالت خراب ہوسکتی ہے، اسی لئے مسلمانوں کو توجہ دلائی گئی کہ ان کا خیال رکھا جائے، وہ ہاتھ پھیلاتے ہیں نہ گڑگڑاتے ہیں اور دور سے دیکھئے تو اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ان کی

(بقیہ ص ۲ پر)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا جنوبی ہند کا دورہ

مولانا واضح رشید صاحب ندوی
ایڈیٹر جریدہ "الرائد"

پہلی قسط

عربی سے ترجمہ: عبدالمبین ندوی
تخصص دوم (دعوۃ)

حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ نے جنوبی ہند کا ایک دعوتی و تبلیغی دورہ کیا جس میں کیرالا، تامل ناڈو اور کرناٹک میں منعقد ہونے والے مختلف اجتماعات اور جلسوں میں دعوت و تعلیم و تربیت کے سلسلے سے تعلق رکھنے والوں سے خطاب کیا، اور انفرادی ملاقاتیں کیں اور وہاں کے دعوتی اور اصلاحی کاموں کا جائزہ لیا، اس سلسلے کا سب سے بڑا اجتماع ترنلویلی (TRUNELUELI) میں ہوا جس کا نظم "دار الاہتمام" نے پندرہویں صدی ہجری کے آغاز کی مناسبت سے کیا تھا، جنوبی ہند کے اس سفر کا باعث اسی جلسہ میں شرکت تھی جس کی دعوت جناب محمد جمال صاحب صدر مسلم یتیم خانہ ترنلویلی نے کئی ماہ قبل دی تھی۔ یہ جلسہ تین روز تک یعنی ۲۲ تا ۲۴ مئی ۱۹۸۱ء جاری رہا۔ دار الاہتمام کے وسیع سبزہ زار پر یہ جلسہ منعقد ہوا جس میں بڑی تعداد میں ہندوستان کے اسلامی اداروں اور تنظیموں کے ذمہ دار حضرات اور خاص طور سے جنوبی ہند کی اسلامی شخصیتیں اور زعماء شریک ہوئے۔ جلسہ کی افتتاحی تقریر میں حضرت مولانا نے اسلامی جنتری کی ہجرت کے واقعہ سے نسبت کی اہمیت واضح کی اور ہجرت کو ایک عظیم تاریخی اور فیصلہ کن واقعہ سے تعبیر کیا، ہجرت کے اس واقعہ کے مختلف گوشوں اور جن خصوصیات کا وہ حامل ہے اور مسلمانوں کے لئے ہر زمانہ میں جو عبرت و نصیحت اس سے ملتی ہے اس کی تشریح کی، مولانا نے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس عظیم واقعہ کی نسبت اسلامی تاریخ کے اولین واقعات میں سے کسی واقعہ کی طرف کیجا سکتی تھی مثلاً ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، یا آپ کے وفات اور خاص طور سے فتح مکہ یا غزوۂ بدر کیطرف، اس لئے کہ بدر کی فتح، اسلامی فتوحات کی ابتدا ہے، لیکن خدا بھلا کرے سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اور اللہ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے اس قسم کے کسی واقعہ کو وہ اہمیت و مقام نہیں دیا جو ہجرت کے واقعہ کو دیا۔ انھوں نے اس واقعہ کو اختیار کیا جو دائمی ہو اور ہمیشہ کے لئے عبرت و نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے باعث درس و عبرت ہو۔

مولانا نے فرمایا کہ ہجری جنتری، واقعہ ہجرت کی یاد دہانی کرتی ہے۔ ہجرت کا یہ واقعہ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ اسلام کی ابتدا ملک و وطن کو خیرباد کہنے، اور محبوب و عزیز چیزوں کی قربانیاں پیش کرنے سے ہوئی ہے اور تکالیف و دشواریاں برداشت کرنے سے جو کہ اللہ کے راستہ میں پیش آئیں اس لئے کہ دعوت کی راہ دشواریوں سے پُر ہے اور اس راستہ میں قربانیوں کا ایک طویل سلسلہ قائم ہے۔ ہر عہد میں دعوت کے کاموں میں دشواریوں کا سامنا کرنا ضروری ہے، اور اس سلسلہ میں ضروری نہیں کہ نتائج امید کے مطابق ہوں، اور اسی شکل میں نکلیں جس شکل میں دعوت کا کام کرنے والے کو مطلوب ہیں، مولانا نے فرمایا نتائج مطلوب اور مقصود نہیں ہونا چاہئے بلکہ مقصود رضائے الٰہی ہونا چاہئے۔

۲۳ مئی ۱۹۸۱ء کو ایک عظیم اجتماع جس میں متعدد مسلم ممبران پارلیمنٹ و مسلم لیڈران وزعماء و داعی دین بڑی تعداد میں شریک تھے۔ خطاب کرتے ہوئے مولانا نے مسلمانوں کی ذمہ داریوں کی وضاحت فرمائی اور انکے فرائض و واجبات سے باخبر کیا جو ان پر ایک شریف شہری و باشندہ ہونے کے ناطے عائد ہوتی ہیں اس طرح اسلامی دعوت کی طرف سے بھی جو ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے اسے بھی یاد دلایا اور زور دیتے ہوئے فرمایا کہ اسلام کی اشاعت خواہ وہ ہندوستان میں ہو یا دوسری جگہوں پر وہ مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق اور اسلام کا حقیقی نمونہ پیش کرنے سے ہوئی ہے، جلسہ میں خاص طور سے مدراس ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اسماعیل عبدالصمد صاحب ممبر پارلیمنٹ، ابراہیم سلیمان سیٹھ صدر مسلم لیگ، مولانا عبدالکریم صاحب پاریکھ جنوبی ہند اور سیلون کے مسلم زعماء نے خطاب کیا۔

مولانا نے ترنلویلی کے اس دورہ میں دار الاہتمام کے زیر اہتمام اسلامی مراکز کا بھی معائنہ کیا۔ اسی طرح اس ٹیکنیکل ادارہ کو بھی دیکھا جو کہ دار الاہتمام کی طرف سے صداقت نگر میں قائم کیا گیا ہے اور ایک نو تعمیر مسجد اور لڑکیوں کے اسکول کا افتتاح کیا اور پھر "ریاض الجنات العربیہ" کالج کا بھی معائنہ فرمایا، اس موقع پر طلبہ، اساتذہ اور اعیان شہر کے ایک اجتماع سے خطاب فرماتے ہوئے مولانا نے اسلامی تعلیم کی اہمیت پر زور دیا اور اسلامی تعلیم کی کامیابی کے عناصر کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلامی مدارس میں تعلیم و تربیت چار بنیادی اصول پر قائم ہے۔

۱۔ پہلا اصول اساتذہ کا ذاتی کردار ان کے پاک جذبات، اپنے کام سے لگاؤ اور ان کا طلبہ کے ساتھ اخلاص اور شفقت و محبت کا برتاؤ اور علمی صلاحیت و لیاقت ہے۔ جب اساتذہ علمی صلاحیتوں سے مالامال ہوں گے اور اخلاص کے ساتھ اپنے کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے تو وہ تدریسی میدان میں نہ صرف کامیاب ہوں گے بلکہ دوسرے میدان میں جو کمی و نقص ہوگا اس کی بھی کافی حد تک تلافی کر سکتے ہیں۔

۲۔ دوسرا اصول طلباء کا رویہ ہے کہ دینی تعلیم حاصل کرنے سے ان کی کیا غرض ہے؟ اور اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کا وہ کہاں تک اہتمام کرتے ہیں؟ وہ حصول تعلیم میں کتنی جد و جہد کرتے ہیں اور دین علم کی اشاعت اور خدمت میں ان کے کیا احساسات اور جذبات ہیں اور اس تعلیم کو ذریعہ و مقصد بنا کر کتنی دین کی خدمت کرتے ہیں اور کتنی علوم دین کی نشر و اشاعت کرتے ہیں؟ چنانچہ فرمایا کہ کامیابی اسی شخص کے قدم چومے گی جو اخلاص و جد و جہد کو اپنا رفیق کار بنائے گا، بیان جاری رکھتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ بندے کی نیت اور اس کی کوشش کو دیکھتا ہے جو وہ اللہ کے واسطے خرچ کرتا ہے اور جب بندہ کو اپنے کام میں مخلص و سرگرم پاتا ہے تو اس کے لئے کامیابی کے وسائل فراہم کر دیتا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا" (جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستہ کی ہدایت دیتے ہیں) چنانچہ محنتی اور نشیط، چست اور ذہین طالب علم استاد کے اندر خود شوق و رغبت اور جذبہ پیدا کر دیتا ہے اور شاگرد کے شوق سے استاذ کے ذہن میں نئے نئے علمی گوشے کھلتے ہیں۔

۳۔ دینی مدارس کے لئے تیسرا عنصر یا تیسری بنیادی چیز مولانا نے فرمایا علمی ماحول یا علمی فضا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مدرسہ کا ماحول، وہاں کی سوسائٹی، طلباء کے ذوق اور ان کی بلند نگاہی و حوصلہ مندی سے میل کھاتا ہو، اور ان کو محنت و لگن پر اکساتا اور اُبھارتا ہو، اور مدرسہ کا ماحول طلباء کے اندر شجاعت و امید اور جذبۂ عمل اور نیک فالی کی اسپرٹ پیدا کرتا ہو، جو طلباء کے ذہن و دماغ کو صیقل کر کے ایسے رخ کی طرف ان کو موڑ دے جس سے وہ اپنی صلاحیتوں اور اہلیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر سکیں۔

۴۔ چوتھی چیز ہے نصاب تعلیم، مولانا نے فرمایا کہ اس چوتھے عنصر کو شخصیت سازی اور ذاتی کردار کے ادائیگی میں بڑی اہمیت حاصل ہے لیکن یاد رہے کہ نصاب درس صرف وسیلہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے نہ کہ اصل یا غایت و مقصود کے طور پر۔

حضرت مولانا نے قدیم زمانہ میں ہندوستان کے نصاب تعلیم میں ترمیم و تبدیلی کی تشریح کی اور تبدیلی نصاب کے سلسلہ میں حالات کے تقاضہ کے مطابق اس میں ترمیم و تبدیلی کی اہمیت پر زور دیا۔ اور فرمایا کہ نصاب تعلیم

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

عصر جدید اور مذہب

ایم۔ ایم۔ شیخ، صدر مدرس شولا پور سوشل ایسوسی ایشن اردو ہائی اسکول۔ شولا پور

عصر حاضر جو انسانی تاریخ کا انتہائی عروج تصور کیا جاتا ہے حیرت انگیز دور ہے۔ انسان فطرت کے بے شمار راز فاش کر کے اور تسخیر کائنات کے مختلف مراحل طے کر کے کرۂ ارض کے باہر قدم رکھنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ آیئے ہم دیکھیں کہ اپنی اس ترقی میں اس نے کیا کھویا کیا پایا ہے۔

عصر حاضر کی اہم خصوصیت سائنس اور سائنسی نقطۂ نظر ہے۔ اس نقطۂ نظر کے لحاظ سے انسان صرف ان مسلمات کو قبول کرنا چاہتا ہے جو تجربے کی بنا پر ثابت کئے جاتے ہیں، جن کو ناپا یا تولا جاسکتا ہے یا جن کا تجربہ ہمیں اپنے حواس سے ہوتا ہے۔ ان تجربات کی بنا پر وہ کائنات کی حقیقت تک رسائی کے لئے جد و جہد کر رہا ہے۔ آیئے ہم دیکھیں کہ سائنس نے اس کائنات کی حقیقت کو کتنا آشکار کیا ہے ــ میں آپ کے سامنے سائنس کے نقطۂ نظر سے کائنات کی ماہیت کا ایک بہت ہی مختصر خاکہ رکھنا چاہوں گا۔

جب سے انسان نے ہوش کی آنکھیں کھولی ہیں۔ اس کے اوپر سایہ فگن آسمان ہمیشہ اس کی توجہ اور غور و فکر کا مرکز بنا رہا۔ انسان اس کے متعلق مختلف دور میں مختلف نظریات پیش کرتا رہا ہے۔ یہ بات اب پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ستارے کواکب، سورج سے بھی کئی گنا بڑے آگ کے شعلے ہیں جو آسمانوں کی وسیع اور بسیط فضا میں ایک خاص قانون کے تحت بکھرے ہوئے ہیں اور برابر حرکت کر رہے ہیں۔ ایک بڑی طاقتور دوربین سے دیکھنے پر ہمیں تقریباً تین ہزار کروڑ ستارے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر یہ تعداد مقامی ستاروں کی ایک بستی ہے اور ایک اسی سے بڑی کائنات کا جزو ہے جس کو کہکشاں کہتے ہیں اور اس کہکشاں کی وسعت ایک سال نوری کا فاصلہ ہے اور خود یہ کہکشاں بھی اپنے ہی قسم کے دس لاکھ سے بھی زیادہ سحاب نجمی میں سے ایک ہے۔ ہماری کہکشاں سے دوسرے نزدیک ترین سحاب نجمی کا فاصلہ آٹھ لاکھ پچاس ہزار سال نوری ہے اور یہ تمام سحاب نجمی آسمان کے خلاء میں اس طرح پھیلے ہوئے ہیں جیسے ایک بڑے سمندر میں کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے جزیرے بکھرے ہوئے ہوں۔ یہ تعداد، یہ فاصلے اور وسعت، انسانی سمجھ سے باہر ہیں۔ انسانی پرواز تخیل جتنا بھی اونچا ہو اس کی حد کو نہیں پہنچ سکتی۔ خیال یہ بھی ہے کہ تمام کائنات اور پھیلتی جا رہی ہے اور یہ تمام ستارے اور سحاب نجمی ایک دوسرے سے دور ہٹتے جا رہے ہیں، جیسے صابن کا بلبلہ ہو جس میں ہوا بھری جاتی ہو۔ آئن سٹائن نے کائنات کی وسعت کے بارے میں کہا ہے۔

"کائنات لا متناہی نہیں مگر اسکی حد کو معلوم کرنا بھی امر محال ہے۔"

ہم جب کائنات کی اس وسعت کو دیکھتے ہیں تو ہمارا ذہن اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور لامتناہی کو شدت سے محسوس کرتا ہے۔ اس قدر ان گنت ستاروں میں سے ہمارا سورج ایک ستارہ ہے اور وہ بھی اوسط درجہ کا ستارہ ہے۔ یہ ہماری زمین اسی سورج سے بنی ہے۔ ایک طاقتور ستارہ جب سورج کے قریب سے گذرا تو زبردست مد و جزر رونما ہوا اور سورج کا بہت سارا دہکتے ہوئے آگ کی طرح کا مادہ سورج سے الگ ہو کر فضا میں بکھر گیا اور کشش ثقل کے تحت سورج کے اطراف میں گردش کرنے لگا۔ وقت کے ساتھ یہ گرم مادہ گیس سے مائع اور مائع سے ٹھوس حالت میں منجمد ہوا اور سیارے وجود میں آئے۔ منجمد ہوتے وقت اس میں جھریاں پڑیں اور اس سے پہاڑ اور وادیاں وجود میں آئیں۔ پھر کروڑہا سالوں کے بعد اسمیں زندگی کے آثار پیدا ہوئے۔ ابتداءً میں زندگی "امیبا" اور "کائی" کے جیسے یک خلیہ کی جاندار سے ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچا ہے اور زمین اور آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے اور سوچ رہا ہے کہ یہ سورج، یہ قمر، یہ کائنات کیا ہے؟ اس کی ابتداء کیا ہے، انتہا کیا ہے؟ اس کا کوئی بنانے والا ہے یا نہیں؟

مولانا آزاد کہتے ہیں، اس وقت سے کہ جبکہ ابتدائی انسان پہاڑوں اور غاروں سے سر نکال کر سورج کو طلوع اور غروب ہوتے دیکھتا تھا آج تک جبکہ علم کی تجربہ گاہوں سے سر نکال کر فطرت کے بے شمار چہرے بے نقاب دیکھ رہا ہے، اس کے فکر و عمل کی ہزاروں باتیں بدل گئی ہیں۔ مگر یہ معمہ معمہ ہی رہا۔ سائنس نے اس معمہ کو حل کرنے میں بے حد و بے حساب ہاتھ پاؤں مارے، اس الجھاؤ کو سلجھانے کی ہزارہا کوششیں کیں مگر یہ معمہ اور اُلجھتا گیا۔ ایک پردے کو ہٹانے میں نسلوں کی نسلیں گزر گئیں مگر جوں ہی ایک پردہ ہٹتا ہے تو پردے سامنے بڑے نظر آتے ہیں۔ قرآن نے اس صورت حال کو بڑے ہی اچھے انداز میں پیش کیا ہے، یکاد البرق یخطف ابصارھم کلما اضاءلھم مشوا فیہ واذا اظلم علیھم قاموا' کمثل الذی استوقد نارا فلما اضاءت ما حولہ ذھب اللہ بنورھم وترکھم فی ظلمات لا یبصرون۔

سائنس کہتی ہے کہ حیات جیسے کہ ہماری روئے زمین پر پائی جاتی ہے، حرارت و روشنی اور آب و ہوا کے موزوں حالات میں ہی ممکن ہے۔ اگر یہ توازن تھوڑا سا بھی بدل جائے تو زندگی صفحۂ ہستی سے نابود ہو جائے گی۔ بالکل مادی نظر سے دیکھا جائے تو کائنات میں جو دیگر بڑے بڑے امور ظہور پذیر ہو رہے ہیں ان کا معاملہ اتنا زیادہ ہے کہ کارساز کائنات کے نزدیک زمینی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں۔ جس سیارے پر ہم رہتے ہیں اور بستے ہیں وہ ایک ذرہ ہے، جو خود روشن بھی نہیں اور شاید دوسرے ستاروں پر سے دیکھا جائے تو نظر بھی نہ آئے اور یہ ذرہ بے شمار آفتابوں میں سے جو ریت کی طرح فضا میں منتشر ہیں ایک آفتاب کے گرد گھوم رہا ہے اور کائنات کا رجحان زمینی اور انسانی زندگی کی طرف بہت ہی حقیر طور پر نظر آتا ہے۔

یہ ایک ایسا خیال ہے جو انسان کو گمراہی کی کھائیوں میں پھینک دیتا ہے اور انسان جو احسن تقویم میں پیدا کیا گیا اس کو اسفل السافلین میں ڈھکیل دیتا ہے۔

آیئے اب دیکھیں کہ اس صورت حال کو ایک مومن کس طرح دیکھتا ہے۔ چونکہ کائنات میں ہماری قسم کی زندگی بہت ہی کمیاب ہے اور سب سے آخر میں وارد ہوئی ہے اس کو پانے کے لئے ہی کائنات کی تاریخ کو مختلف مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔ اس لئے کارساز ہستی کے نزدیک اس کی قیمت سب سے گراں قدر ہے۔

سائنس آج کائنات کے ہر عمل کی توجیہ فزکس اور کیمسٹری کے کسی نہ کسی قانون سے کرنا چاہتی ہے۔ حیات کو کاربن کے جوہر کی چند خصوصیات پر مبنی قرار دیتی ہے۔ حیات کو مقناطیس یا ریڈیو ایکٹیوٹی جیسی خصوصیت سے تعبیر کرنا چاہتی ہے۔ جن اکائیوں سے انسانی جسم بنا ہے ان اکائیوں کو تجربہ خانوں میں حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اور یہ بھی دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ مستقبل میں آرڈر کے مطابق انسان تیار کئے جاسکتے ہیں تجربہ خانوں میں جنس کے ایک جزو DNA کو تیار کرنے کی کوشش بھی کی گئی۔

سترہویں صدی میں جس کو گیلیلو اور نیوٹن کی عظیم صدی کہا جاتا ہے کائنات اور حیات کی توجیہ علت اور معلول کے قانون Law causes کے تحت کی گئی ہے اور بیشتر افعال کو عالمی قانون "کشش ثقل" کی روشنی میں دیکھا گیا۔

ہیلم ہولٹز (Helm Boltze) نے کہا، "سائنس کا مقصد نہایہ ہے کہ اپنے آپ کو علم سکون و حرکت میں ڈھال لے"

"The final aim of science is to disord

سامنے آتا ہے اور ہمیں اس کے حل کی جستجو ہوتی ہے تو ہم کیا کرتے ہیں؟ ہمارے اندر بالطبع یہ بات موجود ہے اور منطق اور ریاضی نے راہ پر لگایا ہے۔ ہم اس الجھاؤ پر غور کریں گے۔ ہر الجھاؤ اپنے حل کے لئے ایک خاص تقاضے کا جواب چاہتا ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ ایک کے بعد طرح طرح کے حل سامنے لائیں اور دیکھیں کہ تقاضے کا جواب ملتا ہے یا نہیں، پھر جوں ہی ایک حل ایسا نکل آئے گا جو الجھاؤ کے سارے تقاضے کا جواب دے گا اور معاملے کی ساری کلیں ٹھیک ٹھیک بیٹھ جائیں گی، ہمیں پورا یقین ہو جائے گا کہ الجھاؤ کا صحیح حل نکل آیا ہے اور صورت حال کی یہ اندرونی شہادت ہمیں اس درجہ مطمئن کر دیگی کہ بیرونی شہادت کی احتیاج باقی نہیں رہیگی اب کوئی ہزار شبہے نکالے ہمارا یقین متزلزل ہونے والا نہیں۔ آپ نے حرفوں کی ترتیب سے کھلنے والے قفل دیکھے ہوں گے۔ انھیں ابجد کے قفل سے پکارتے تھے، ایک خاص لفظ کے بننے سے وہ کھلتا ہے اور وہ لفظ ہمیں معلوم نہیں۔ اب ہم طرح طرح کے الفاظ بنائیں اور دیکھیں کھلتا ہے یا نہیں؟ فرض کیجئے کہ ایک خاص لفظ کے بنتے ہی کھل گیا۔ کیا ہمیں اس بات پر یقین نہیں ہو جائے گا کہ اسی لفظ میں اس قفل کی کنجی ہے۔ اس کے بعد باقی کیا رہ گیا جس کی مزید جستجو ہو۔

ایک ذی عقل ارادہ پس پردہ موجود ہے تو یہاں جو کچھ ہے کسی ارادے کا نتیجہ ہے اور کسی معین اور طے شدہ مقصد کے لئے ہے۔ جونہی یہ حل سامنے رکھ کر ہم اس گورکھ دھندے کو ترتیب دیتے ہیں تمام اس کی ہر کج پیچ نکل جاتی ہے اور ساری چولیں اپنی اپنی جگہ ٹھیک آکر بیٹھ جاتی ہیں "کیونکہ ہر گیا ہے" اور "کیوں ہے" کو ایک معنی خیز جواب مل جاتا ہے۔ گویا اس معمہ کے حل کی ساری روح ان چند لفظوں کے اندر سمٹی ہوئی تھی جوں ہی یہ سامنے آئے معمہ، معمہ نہ رہا، ایک معنی خیز داستان بن گیا۔ پھر جوں ہی یہ الفاظ سامنے سے ہٹنے لگتے ہیں اس کے تمام معانی واشارات غائب ہو جاتے ہیں اور ایک خشک اور بے جان چیستان باقی رہ جاتی ہے"۔

ان اقتباسات کے بعد آیئے ہم دیکھیں کہ قرآن اپنی ابتداء کہاں سے کرتا ہے۔ سورۂ بقرہ کی پہلی آیت میں ہے، الم۔ ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین الذین یومنون بالغیب۔ الخ

یہ ہماری ابتدا ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں حقیقت صرف وہی نہیں ہے جو عالم شہادہ میں موجود ہے جس کو ہمارے حواس محسوس کریں یا دیکھیں۔ حقیقت اولیٰ عالم غیب میں ہے جس کا پانا حواس سے پرے، اس کا راستہ ان سب سے الگ ہے۔ قرآن ہمیں اس تک رسائی کے لئے اپنے نفوس کے اندر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ وفی انفسکم افلا تبصرون۔

میں کیا ہوں؟ کیا صرف فزکس کی مشین، کیمسٹری کا تجربہ خانہ ہوں؟ روح کیا ہے؟ کیا یہ کیمیا کے تجربے سے نکلے ہوئے بخارات ہیں؟ نہیں ہمارے جسم کا کوئی حصہ کٹ جانے سے روح کی اس اکائی کا کوئی عشر عشیر حصہ بھی کم نہیں ہوتا ہے۔

اصل طرح کائنات کی اصل حقیقت روحانی ہے۔ اس کے راستے اور اس کے تجربے بھی روحانی و باطنی ہیں، بزرگان دین کی زندگیاں، روحانی تجربات میں سائنس کے تجربے سے کم نہیں بلکہ ان سے کہیں زیادہ قابل یقین اور ثابت شدہ ہیں اور دین کی حقیقت ان ہی سے حاصل ہوتی ہے اور جب ان کی پاک زندگیاں حقیقت کا ثبوت ہیں تو ان کے اصول، کردار اور دین کے سارے قوانین بھی ایسے ہی لازمی ہیں، جس طرح کسی سائنس کے تجربے کے لوازمات۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ہم سائنس کا کوئی تجربہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کی تیاری میں طرح طرح کے لوازمات مہیا کرتے ہیں اس میں سے کسی ایک کی کمی سے سارا تجربہ فیل ہو جاتا ہے تو کیا روحانی تجربات میں بغیر اس کے لوازمات کو پورا کئے ہوئے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ لوازمات وہی ہیں جو دین ہمیں سکھاتا ہے۔ خدا پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، رسولوں پر ایمان، آخرت پر ایمان، صداقت، اخلاق حسنہ، اعمال صالحہ، حلال روزی، اگر ہم یہ سارے لوازمات پورے کریں تب ہمیں اپنے روحانی تجربات میں کامیابی اور حقیقت تک رسائی یقینی ہوگی۔ مگر ہماری ظاہر بین عقل حقیقت کو آشکارا طور پر اپنے حواس سے پانا چاہتی ہے۔

ایک مرتبہ میں بھی سائنس کے طور طریقوں کے اثرات میں آکر ایک بزرگ سے جنھوں نے اپنی عمر کے نوّے سال خدا کی عبادت میں صرف کئے تھے ایک سوال کر بیٹھا "حضرت! آپ نے اتنی لمبی عمر خدا کی عبادت میں صرف کی ہے مگر کیا آپ کو کچھ ملا یا نظر آیا۔؟"

اس سوال سے میرا مقصد خدا کے وجود سے انکار نہ تھا، میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا حقیقت کو ہمارے حواس خمسہ کے ذریعے دیکھا یا محسوس کیا جا سکتا ہے؟ ان بزرگ نے نہایت ہی اطمینان سے جواب دیا۔

"بہت کچھ ملا۔"

میں نے پوچھا "اس کی نوعیت کیا ہے؟"

انھوں نے جواب دیا "بہت کچھ ملا میں انھیں الفاظ کے ذریعے بیان نہیں کر سکتا۔"

کچھ عرصے قبل سے ہی ماہرین جدید نفسیات نے روحانی تجربات کی ماہیت، کیفیت کو محسوس کرنا شروع کیا ہے، مگر اس کا تجزیہ کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی قابل قدر سائنسی طریقہ موجود نہیں ——

"فکر انسانی کی تشکیل جدید" (Modern Reconstruction of Islamic thoughts.) میں علامہ اقبال نے ان روحانی تجربات کے بارے میں بڑے ہی پتے کی باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ کہتے ہیں

"ہم بغیر کسی چوں وچرا کے یہ مان لیتے ہیں کہ خارجی دنیا کا ہمارا حسی ادراک ہی علم کل کی واحد مثال ہے۔ اگر معاملہ ایسا ہی ہوتا تو ہم خود اپنے وجود کی حقیقت کا بھی یقین نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے پاس دوسروں کی قلبی کیفیات کو محسوس کرنے کے لئے کوئی خاص حسی عضو نہیں ہے۔ چونکہ باطنی تجربات کی کیفیت کو براہ راست محسوس کرنا ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اس کو دوسروں تک پہنچایا نہیں جا سکتا۔ باطنی تجربے کی غیر شرکت پذیری اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ بنیادی طور پر تدلیلی تعقل سے پاک، غیر متشکل وجدان ہوتا ہے، مگر یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ باطنی احساس بھی دیگر احساسات کی طرح ادراکی عنصر رکھتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اسی ادراکی عنصر کی بنا پر ہی وہ تصوراتی خاکے میں ڈھل جاتا ہے۔ اس طرح باطنی احساسات کا عالم بھی انسان کے دیگر عالم محسوسات کے اتنا ہی حقیقی ہے اور اس کو صرف اس لئے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حسی ادراک کے چوکھٹے میں نہیں بیٹھ سکتا اور باطنی کیفیات کے ساتھ رونما ہونے والی نامیاتی کیفیتوں کی نشاندہی کر کے اس کے روحانی اقدار کی نفی کرنا بھی ناممکن ہے۔"

اس تفصیل سے میرا مقصد سائنس کی قدر و قیمت اور اہمیت کو کم کرنا ہرگز نہیں۔ سائنس میں انسان کی ترقی عین مشیت خداوندی ہے۔ قرآن ہمیں بار بار اپنے گرد و پیش اور کائنات کی تخلیق اور اس کے راز تلاش کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ انسان کی تخلیق کا مقصد تسخیر کائنات ہے۔ مگر اس میں گم ہو کر خدا کے وجود سے ہی انکار کرنا یہ کفران نعمت اور گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔ قرآن میں آدم کی تخلیق کے وقت اللہ سبحانہٗ تعالیٰ اور ملائکہ کی گفتگو کو بڑے معنی خیز انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

"جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ انھوں نے کہا، کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت و خون کرتا پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ خدا نے فرمایا۔ میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اس نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے پھر انکو فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ اگر سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ انھوں نے کہا، تو پاک ہے، جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے بے شک تو دانا اور حکمت والا ہے۔ تب خدا نے آدم کو حکم دیا کہ آدم! تم ان چیزوں کے نام بتاؤ، جب انھوں نے ان کے نام بتائے تو فرمایا، کیوں میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں

itself to mecanics."

لارڈ کیلون (Lord Kelvin) نے کہا۔ "میں کسی بھی ایسی چیز کو نہیں قبول کر سکتا جس کا کہ میں ایک میکانکی خاکہ تیار نہ کر سکوں۔"

"I can not understand anything of which I could not make a mecanical model."

یہ انجینئرنگ سائنٹسٹ کا زمانہ تھا اور ساری کائنات کو ایک مشین تصور کیا جانے لگا تھا۔ انسان کے جذبات احساسات اور تخیل کو غرض تمام افعال کو انجینئرنگ کے قانون کی طرف لانے کی کوشش کی گئی مگر اس میں بھی کچھ خاص امور میں رکاوٹ نظر آئی تو ریاضی کا دور شروع ہوا اور بہت ساری مشکلات کا حل ریاضی کے ضابطوں سے تلاش کیا جانے لگا اور یہ سمجھا جانے لگا کہ ساری کائنات ایک بڑا Differential Equation (تحریکی مساوات) ہے۔

مگر سنہ ۱۹۲۷ء میں ان تمام کوششوں کو ایک بڑا دھکا پہنچا۔ کائنات کی حقیقت کی تلاش میں سائنس کی اب تک بچھائی گئی ساری بساط الٹ دی گئی۔

سنہ ۱۹۲۶ء میں Maxwell Plank نامی سائنسداں نے شعاعوں سے خارج ہونے والی توانائی اور اس کے لہری و تموج کے تعلق کو ظاہر کرنے والے ضابطے کی تلاش میں ریڈیم کی شعاعوں میں یہ دیکھا کہ توانائی اور لہروں کے تموج کا حاصل ضرب ہر قسم کی شعاعوں میں ایک مستقل عدد ہوتا ہے، جس کو Plancks constent کہتے ہیں اور اسی پر سے آگے چل کر Quantum theory پیش کی گئی۔ اس کے تحت فطرت کا دھارا علت و معلول کی طرح مسلسل طور پر نہیں بڑھتا بلکہ جھٹکے جھٹکے اور جھٹکوں سے آگے بڑھتا ہے۔ اس اصول کے پیش ہونے سے قوانین فطرت کا میکانکی جامہ اتار پھینکا گیا۔ علت و معلول کے قانون کو اس کے تخت سے اتار دیا گیا۔ فطرت میں تبدیلیاں خاص و تموج کے بعد خاص مقدار میں ہوتی ہیں۔

"وخلق کل شیئٍ فقدرہ تقدیرا" (اور اس نے تمام چیزیں پیدا کیں پھر ہر چیز کے لئے اس کی حالت اور ضرورت کے مطابق ایک خاص انداز ٹھہرایا)۔

نظریۂ علت و معلول کی تردید کی ایک مثال ریڈیم کے جوہر کا سیسہ اور ہیلیم نامی گیس میں ٹوٹ کر فنا ہو جانا ہے۔ ریڈیم خود بخود بغیر کسی بیرونی تحریک کے شعاعیں خارج کرتا ہے اور ایک مخصوص وقفے کے بعد فنا ہو کر سیسے میں تبدیل ہو جاتا ہے اور ریڈیم کے جوہر کی موت ہوتی ہے۔ یہ قانون بہت ہی تعجب خیز ہے۔ ریڈیم کے جوہروں کی یہ کمی ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کسی فوج کے دستے پر اندھا دھند گولیاں برسانے پر فوجیوں کی تعداد کم ہوتی ہے۔ تمام جوہروں میں کون سے جوہر کی موت ہوگی اس کو کسی قانون سے جوڑا نہیں جا سکتا اور شعاعیں خارج ہونے پر کون سا جوہر ٹوٹ جائے گا یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔ ریڈیم کے جوہر میں سے جس جوہر کی موت واقع ہوتی ہے وہ اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ اپنی طبعی عمر کو پہنچ چکا ہے بلکہ اس کا سارا معاملہ تقدیر پر ہے اس کا ٹوٹنا طبعی عوامل پر موقوف نہیں ہے، ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کی توجیہ کے لئے Lord Ruther lord نے Cosmic radiation ڈھونڈ نکالا۔ یہ شعاعیں آسمان سے زمین پر گرتی ہیں اور اس کی تخریبی طاقت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ یہ شعاعیں تقدیر کے مانند عناصر پر گرتی ہیں اور ان کی موت کا سبب بنتی ہیں اور ان سے ہی زمین پر بہت سارے انفعال سرزد ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ ان ہی شعاعوں کی وجہ سے ارتقائے حیوانات بھی رونما ہوا۔ اب ریڈیم کو ان شعاعوں کے اثر سے محفوظ کرنے کے لئے زمین کی کافی گہرائیوں میں رکھا گیا تاکہ وہاں تک ان کا اثر نہ پہنچ سکے مگر پھر بھی ریڈیم کی شعاعیں خارج کرتی رہیں اور اس کے جوہر کے فنا ہونے میں کوئی اثر نہ ہوا اور یہاں آکر سائنسداں حیران ہو گئے، وہ اس بات پر مجبور نظر آتے ہیں کہ ان طبعی عوامل کے پیچھے کوئی غیبی طاقت دست قدرت کام کر رہا ہے۔

انسان اپنی ان کاوشوں اور کوششوں میں تسخیر کائنات میں بڑی حد تک کامیاب تو ہوا ہے مگر اس کی گتھی کو صرف فیزیولوجی، کیمسٹری، فزکس اور بائیولوجی اور ریاضی غرض ہر شعبۂ سائنس سے سلجھانے میں اسی مقام پر نظر آتا ہے جس مقام پر ابتدائی انسان تھا اور مجبور نظر آتا ہے کہ وہ ایک غیبی طاقت کو تسلیم کرے۔

آیئے! میں آپ کے سامنے چند ماہرین سائنس کی تصانیف کے آخری صفحات کا مختصر سا ترجمہ پیش کروں کہ وہ اپنی تصانیف میں سائنس کے مختلف مسائل کی وضاحت کرنے کے بعد کائنات کی حقیقت کے بارے میں کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔

Sir James Jemes اپنی تصنیف "پُراسرار کائنات" کے آخری پیراگراف میں یہ کہتا ہے،

"آج اس بات کو وسیع پیمانے پر تسلیم کیا جا رہا ہے اور خاص طور پر علم طبیعیات میں تو کلی طور پر اتفاق رائے ہے کہ علم کا دھارا اب ایک غیر میکانکی حقیقت کی طرف بہہ رہا ہے کائنات اب ایک بڑی مشین کے بجائے ایک بڑا تخیل معلوم ہو رہی ہے۔ علم جدید اب ہمیں اس بات پر مجبور کر رہا ہے کہ ہم اپنے گذشتہ تصورات سے دامن جھٹک دیں کہ کائنات کے مقصد کا تعلق حیات سے نہیں بلکہ اسکے خلاف ہے اور یہ بات بھی منکشف ہو رہی ہے کہ کائنات کی ماہیت اب اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ اس کے پس پردہ کوئی ذی ارادہ اور صاحب قدرت ہستی موجود ہے، جس میں اور ہماری حقیقت میں کچھ نہ کچھ خصوصیات مشترک ہیں۔ اور وہ خصوصیات جو مٹی کے خمیر سے حیات پیدا کرنے میں کارفرما تھیں، کائنات کی بنیادی کیفیت سے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ نظر آتی ہیں۔"

وہ آگے کہتا ہے:۔

"ہم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جدید سائنس کائنات کے معمہ کا حل رکھتی ہے۔ ہم اس معاملے میں کامیابی کا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے، بلکہ سائنس کو کوئی دعویٰ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اکثر مرتبہ علم کا دھارا واپس موڑا گیا ہے۔"

ہرمن وائل اپنی کتاب "کھلی کائنات" میں کہتا ہے۔

"میں نے اپنے خود کے سائنسی افکار کو ریاضی اور طبیعیات سے جانا ہے کہ سائنس کائنات کو ایک کھلی کتاب کی طرح ظاہر کرتی ہے۔ یہ کائنات کہیں بند نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ اپنے آگے اور آگے کھلتی ہی جاتی ہے اور سائنس اپنے طور اور طریق سے اس کے آخر تک نہیں پہونچ سکتی وہ صرف ایک حد تک اس کے آگے کھلے ہوئے آفاق کی طرف اشارہ کرتی ہے۔"

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑئیے

ایک دوسرا ماہر فلکیات Ruther The Nat Eddington اپنی کتاب ...ure of the Physical world (طبعی عالم کی ماہیت) میں کہتا ہے۔

"اب ماہر طبیعیات اپنی خارجی کائنات کو اس انداز سے دیکھتا ہے جس کو صرف اور زیادہ نہانی یا باطنی کہا جا سکتا ہے۔ اگرچہ یہ انداز نگر اس انداز نگر سے منطقی اور تجرباتی طور پر کم مفید نہیں ہے جس کے تحت چند سال قبل یہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ کوئی بھی چیز سچ نہیں ہو سکتی جب تک کہ کوئی انجینئر اس کا مثالی خاکہ تیار نہ کر سکے۔

ایک زمانہ تھا جب کہ تمام انفس و آفاق کا اتصال حس سے احساس و ادراک ترتیب پاتے ہیں۔ ایسے علم طبیعیات کے تسلط کے تحت لایا جا رہا تھا جو پہلے اب کی بہ نسبت بہت زیادہ آہنی حدود والا تھا۔ اب وہ خود پسند اور سنہرا دور ختم ہو چکا ہے جب کہ ہمیں اپنی روح اور ضمیر کو اپنی کہنے کے لئے علم طبیعیات سے اجازت لینی پڑتی تھی۔"

مولانا آزاد اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"بارہا مجھے خیال ہوا کہ ہم خدا کی ہستی کا اقرار کرنے کے لئے اس لئے بھی مجبور ہیں کہ اگر نہ کریں تو کارخانۂ ہستی کے معمہ کا کوئی حل باقی نہیں رہتا اور ہمارے اندر ایک حل کی طلب ہے جو ہمیں مضطرب رکھے جیسے رکھتی ہے۔ اگر ایک الجھا ہوا معاملہ ہمارے

اور زمین کی پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور پوشیدہ کرتے ہو سب مجھ کو معلوم ہے۔"

انسان کی سائنس کی ترقی یہ قانونِ فطرت کی پردہ کشائی وہ صرف ان قوانین کو تلاش کرکے اپنے استعمال میں لاتا ہے، اپنے طرف سے کوئی قانون نہیں پیدا کرسکتا اور جب تک وہ ان قوانین کی تابعداری نہیں کرتا کامیاب نہیں ہوتا۔ آج انسان جو خلائی سفر میں کامیاب ہوا ہے تو وہ اس کے قوانین کے تحت عمل کرکے ہی کامیاب ہوا۔ ان قوانین کی مخالفت کرکے کامیاب نہیں ہوسکتا۔

سورۂ رحمٰن کی ایک آیت میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"اے انسانوں اور جنوں کی جماعتو! تم میں اگر استطاعت ہو تو تم زمین اور آسمانوں کی قطاروں سے پرے بھی نکل سکتے ہو۔ مگر تم ہمارے قوانین کی مطابقت اور تصدیق کے بغیر نہیں نکل سکتے۔"

تو سائنس کا ترقی قوانینِ فطرت کی تابعداری سے ہے اس کے انحراف سے نہیں اور ایک مومن کو چاہئیے کہ اپنی اس مادی ترقی میں اپنی روحانی ترقی سے گریز نہ کرے اور ہر وقت اس خلاقِ اعظم کے سامنے اپنے سر کو جھکائے اور اسکی رضا و خوشنودی کو تلاش کرے۔

اس طرح اہلِ مغرب اور اہلِ مشرق کے سائنسداں اور مذہبی رہنماؤں کے افکار اور خیالات کا جائزہ لینے کے بعد ہمیں یقین ہوجائے گا کہ خدا کی ہستی کا اقرار کریں۔ اس حقیقت تک رسائی کے لئے انسان کے ذہنی و دماغی وسائل کافی نہیں ہیں اس تک رسائی کا راستہ ہمارے روحانی وجدان سے گذرتا ہے۔ یہی مخفی جوہر ہے جس کو بحال کرنا ضروری ہے ——— اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔

"ہم نے جب بنی نوعِ انسان کی ارواح کو جمع کیا اور ان سے وعدہ لیا "الست بربکم" انھوں نے جواب دیا۔ "قالوا بلیٰ"۔

اور جب تک انسان اس وعدے کو یاد نہیں کرتا اور اس کی وفاداری نہیں کرتا، اس کے قلب کو اطمینان نصیب نہیں ہوسکتا۔ "والی اللہ المصیر" ساری چیزوں کو اسی کی طرف لوٹنا ہے اور یہیں سے دین کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔

ایک نیا سنگِ بنیاد رکھیے!

ماء اللحم خاص

قبل از وقت بوڑھوں اور غیر صحت مند نوجوانوں کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ تازہ پھلوں قیمتی دواؤں اور بہترین غذاؤں سے جدید طریقہ پر تیار کیا جاتا ہے

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

بمبئی میں

خالص گھی اور میوہ جات سے بھرپور

مٹھائیاں اور حلویات

عمدہ و لذیذ

سلیمانی افلاطون

ڈرائی فروٹ برفی

بکنگ · قلاقند · ملائی · برفی · کوکو ملائی برفی

ہر قسم کے تازہ و خستہ

بسکٹ

اور

نان خطائیاں

ممبئی کا قابلِ اعتماد مرکز

سلیمان عثمان مٹھائی والے

مینارہ مسجد کے نیچے بمبئی ۳ 320050

برانچ ــ ۳۳ ۔ محمد علی روڈ بمبئی ۔ ۳

باسمہٖ تعالیٰ

مکتبۂ فکر و نظر ملے پلی حیدرآباد

ضرورت ——— اہمیت ——— تعارف

اسلام انسان کو اپنی ذات اور اس طویل و عریض کائنات میں فکر و نظر کی دعوت دیتا ہے، انسان کا کائنات اور ربِ کائنات سے صحیح رشتہ متعین کرتا ہے اور انسانی زندگی کو صحیح تصور عطا کرتا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو براہِ راست سمجھنے والوں کو کسی دوسرے لٹریچر کی ضرورت نہیں ہے لیکن امت کا وہ بڑا طبقہ جو براہِ راست کتاب و سنت کا مطالعہ اور ان سے نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا یقیناً اس کو ایسے قرآنی لٹریچر کی ضرورت ہے جو کتاب و سنت کو مؤثر اور فکر انگیز اسلوب میں پیش کرے جس میں علم نافع اور جدید اسلوب کا حسین امتزاج ہو جو ہمارے نوجوانوں کی پیاس بجھا سکے۔ اسلام کا مکمل اور مدلل تعارف کرا سکے اور صحیح اسلامی فکر کا اردو اور انگریزی میں ایک ایسا مکمل سیٹ پیش کرسکے جو اسلامی تعلیمات سے واقف کرانے کا بہترین ذریعہ ہو۔

اسی مقصدِ عظیم کے لئے سرزمینِ دکن میں جو علم و ادب کا مرکز رہا ہے اور ہے "مکتبۂ فکر و نظر" کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ یہ مکتبہ صرف تجارتی اغراض کے لئے قائم نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کا اولین مقصد دعوت و تبلیغ و صحیح فکرِ اسلامی کی نشر و اشاعت ہے۔ اس سلسلہ میں عالمِ اسلامی کے مشہور مفکر و عالمِ ربانی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی عظیم تصنیفات و تالیفات کو فروغ دینا اور اُن کے فیض سے شہر حیدرآباد کو مستفیض کرنا بنیادی طور پر مکتبۂ فکر و نظر کے پیشِ نظر ہے۔

یہ مکتبہ چند بڑے اور مشہور کتب خانوں اور اکاڈمیوں کا نمائندہ ہوگا جن میں سرِ فہرست مجلس تحقیقات و نشریاتِ اسلام لکھنؤ، مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، مکتبہ فردوس، مکتبہ اسلام، مکتبہ الفرقان، دارالمصنفین اعظم گڑھ اور ندوۃ المصنفین دہلی شامل ہوں گے۔

ہمیں امید ہے کہ شائقینِ علم "مکتبۂ فکر و نظر" کے پیام سے مسرت محسوس کریں گے اور اس دینی کام کے لئے ہمت افزائی فرماکر ہمارا تعاون کریں گے۔

آپ کا دینی بھائی

سید مظہر ہاشمی ندوی

مراسلت کا پتہ مکتبۂ فکر و نظر 11-3-717 جدید ملے پلی حیدرآباد 500001

عرفہ کے دن روزہ رکھنے کی فضیلت

نیاز احمد فضیلت سال اول

ہمارا اور آپ کا بلکہ تمام مسلمانوں کا اس پر ایمان و یقین ہے اور جس کا اس پر ایمان نہیں وہ مسلمان نہیں کہ نماز اور زکوٰۃ ہی کی طرح روزہ بھی اسلام کا ایک رکن ہے اور گو اشرط لازم جس کے بغیر کسی مسلمان کی زندگی اسلامی زندگی نہیں بن سکتی۔ وہ پورے مہینے کے روزے ہیں اور چونکہ فطرت انسانی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد روحانی تربیت کی محتاج ہوتی ہے جس کے رگ رگ سے خالقِ کائنات واقف ہے۔ اس لئے اس نے دن و رات میں پانچ وقت کی نماز ادا کرنے کا حکم دیا تاکہ خالق و مخلوق عبد و معبود کے مابین جو ربط و تعلق ہے وہ باقی رہے منقطع نہ ہو بندہ اللہ تعالیٰ سے قریب رہے، آپ دیکھتے ہیں کہ ہر والدین چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد ہم سے جدا نہ ہو۔ دنیا میں محبت کا ایک حصہ بھیجنے کا یہ نتیجہ ہے کہ والدین یہ چاہتے ہیں چاہے اولاد کتنی ہی نالائق کیوں نہ ہو قریب رہے، آنکھوں کے سامنے رہے دور نہ ہو تو بھلا بتائیے وہ خالق جس نے محبت کا ۹۹ حصہ اپنے پاس رکھ چھوڑا ہے اپنی مخلوق سے کتنی محبت کرتا ہے! ہم کو علم نہیں ہمارا علم ناقص۔ بایں وجہ تعلق مع اللہ کو مضبوط بنانے اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے فرائض کے علاوہ نفلی عبادتوں کی بھی تعلیم دی گئی، نوافل عبادات کے ذریعہ بندہ خدا سے قریب سے قریب تر ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ خدا کا محبوب بندہ بن جاتا ہے، نفلی عبادات کی بہت سی قسمیں ہیں، منجملہ انھیں نفلی عبادتوں میں نفلی روزے بھی ہیں اور نفلی روزوں میں عشرۂ ذی الحجہ اور یوم عرفہ کے روزے ہیں جس کی احادیث پاک میں بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے،

ابن عباس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ دنوں میں سے کوئی دن جس میں عمل صالح اتنا اللہ کو محبوب نہیں جتنا کہ ان دس دنوں میں، تو صحابہؓ نے پوچھا اے اللہ کے رسول اور نہ جہاد فی سبیل اللہ، تو آپؐ نے فرمایا، اور نہ جہاد فی سبیل اللہ مگر جو آدمی اپنی جان و مال کے ساتھ نکل جائے اور وہ کسی چیز کے ساتھ واپس نہ آئے۔ (ترمذی)

اور ترمذی کی ایک دوسری روایت میں ہے۔" آپؐ نے فرمایا کہ دنوں میں سے کسی دن بھی بندے کا عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب نہیں ہے جتنا کہ عشرۂ ذی الحجہ میں محبوب ہے (یعنی ان دنوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کو اور دنوں کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے) اس عشرہ کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر رات کے نوافل شب قدر کے نوافل کے برابر ہے۔" (جامع ترمذی)

اس حدیث پاک میں دو باتیں ایسی ہیں جو سب سے زیادہ قابل توجہ ہیں:۔

۱۔ آپ نے فرمایا کہ اس عشرہ کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے یعنی جس نے اس عشرہ میں ایک دن روزہ رکھا تو گویا اس نے سال بھر کے روزے رکھے، ایک دن روزہ رکھنے کا ثواب ایک سال روزہ رکھنے کا ثواب ملیگا۔

۲۔ دوسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ اس کی ایک رات کے نوافل شب قدر کے نوافل کے برابر ہیں یعنی جتنا ثواب شب قدر میں نفل نمازوں اور عبادتوں کا ملتا ہے، اسی کے برابر ثواب عشرۂ ذی الحجہ میں ایک رات نفل نمازوں اور عبادتوں کا ملے گا۔ شب قدر کو قرآن نے خیر من الف شہر کہا ہے، "ہزار مہینوں سے بہتر" یعنی اس رات کی عبادت کا ثواب کم سے کم تیس ہزار راتوں اور دنوں کے برابر ہے اسی طرح دس راتوں کا ثواب تین لاکھ راتوں اور دنوں کے برابر ہوگا، یعنی ۲۵ ہزار سال کی عبادت کا ثواب صرف دس راتوں کی عبادت کے برابر ملیگا یہ اللہ کی دین ہے جتنا چاہے دیدے اور جب چاہے چھین لے وہ مرضی کے مطابق جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس کو روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ اب آپ سوچیے اور ٹھنڈے دل سے سوچیے کہ ہماری اور آپ کی عمر عزیز میں یہ عشرہ کتنی دفعہ آیا مگر افسوس ہم نے اس کی قدر نہ پہچانی اس کی قدر نہ پہچان کر ہم نے اپنے اوپر بہت بڑا ظلم کیا۔ اللہ تعالیٰ اب سے ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔

اللہ محفوظ رکھے اپنی نافرمانیوں سے، نوافل کون کہے ہم فرائض کو بھی ترک کرنے میں کسی سے کم نہیں اور اسی نافرمانی اور ترک فرائض ہی کا یہ نتیجہ ہے جس کو ہم دیکھ رہے ہیں محسوس کر رہے ہیں کہ دنیا ہم سے گھن کرتی ہے، اپنے پاس بیٹھنے نہیں دیتی ذرا سوچیے ایک وہ بھی زمانہ تھا کہ لوگ بلا بلا کر ہم سے فیصلے لیتے تھے، جس طرف ہم گزر جاتے تھے تو تادیر اس طرف اس کا اثر باقی رہتا تھا، اس کی وجہ کچھ اور نہیں، اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ ہم کتاب و سنت کو اپنے سینے سے لگائے رہے، اس پر عمل کرتے رہے اور تاریخ گواہ ہے کہ جس وقت تک ہم اس کو اپنے سینے سے لگائے رہے اس پر چلتے رہے تو دنیا میں بھی باعزت اور سرخرو رہے اور آخرت میں بھی کامیابوں نے قدم چومے مگر جس وقت سے ہم نے اس کو چھوڑ دیا۔ اس پر عمل بند کر دیا تو اب ہر طرف رسوائیوں کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے اور جو خدا کے کچھ نیک بندے ہیں بھی تو وہ ہمارے اعمالِ بد کی وجہ سے تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں، مثل مشہور ہے کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پیسا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ پھر سے ہمیں کتاب و سنت کو سینے سے لگانے اور اس پر عمل کرنے اور اس کو دوسروں تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے!

میرے بھائیو! ابھی سویرا ہے اگر ہم اب بھی خوابِ غفلت سے بیدار ہوجائیں تو بہت کچھ کرسکتے ہیں، مومن کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ وہ جب تک دنیا میں رہے خالص خدا کا بندہ بن کر رہے اور اسی حالت میں دنیا سے اٹھالیا جائے،

عرفہ کے دن روزہ رکھنے کی فضیلت اس طرح بیان کی گئی ہے:۔

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ پاک سے امید رکھتا ہوں کہ عرفہ کے دن کا روزہ اس کے بعد والے سال اور پہلے والے سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا۔ (ترمذی)

قربانی اور اخلاص
لازم و ملزوم

اخلاص کا ثبوت قربانی سے ملتا ہے اور قربانی کا دار و مدار اخلاص پر ہے۔ دونوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں۔ قربانی یہ ہے کہ ہر موقع پر اپنے نفس کو قابو میں رکھا جائے، اور اخلاص یہ ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، نہ ہر دلعزیز بننے کے لئے، نہ اپنی خدمت و ہمدردی کے ذریعہ دلوں میں گھر کرنے کے لئے، نہ لوگوں پر اپنی قربانیوں یا اپنے علم و فضل اور اپنے ہنر و کمال کا سکہ بٹھانے کے لئے، نہ اپنی ذہانت و طباعی کے اظہار کے لئے، نہ اپنی قوم کو نفع پہونچانے کے لئے، اگر ہمارے پیش نظر مجرد قومی خدمت ہے اور اس میں رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ یا دوسرے الفاظ میں اخلاص شامل نہیں ہے اگر ہم صرف قوم و ملت کے وفادار ہیں خدا کے وفادار نہیں اگر ہم یہ خدمات محض اس لئے انجام دیتے ہیں کہ ہمارا عنصر ملی ہو ہماری قومی خودداری کی تسکین ہو، ہمارا تفوق و برتری ثابت ہو، ہمارے ہم مذہب اور ہم وطن ترقی کے راستہ پر تیزی کے ساتھ گامزن ہوسکیں ہمیں خدا کے وعدوں پر یقین اجر و ثواب اور رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ نہیں ہے (اور یہ بہت ممکن ہے) تو ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ ہماری ساری کوششیں رائیگاں ہیں اور ان کی شریعت کی نظر میں کوئی قیمت نہیں، اور خطرہ ہے کہ خدانخواستہ ہمارا شمار ان لوگوں میں ہو جن کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے:۔

الذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا ۔ اولٰئک الذین حبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا۔

(جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام انجام دے رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوششیں بیکار اور تلف ہوجائیں گی اور ہم قیامت کے روز ان کو ذرہ برابر وزن نہ دیں گے)۔

قربانی کے مسائل

○ - جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی ہے یا اس کے خریدنے بھر کی قیمت ہے یا ساڑھے سات تولہ سونا ہے تو چاہے اس پر سال گزرا ہو یا نہ گزرا ہو اس پر قربانی کے دنوں میں قربانی واجب ہے۔ (اگر کوئی مقروض ہے تو قرض کی رقم نکالنے کے بعد اتنی رقم بچتی ہو)

○ - قربانی فقط اپنی طرف سے کرنا واجب ہے اولاد کی طرف سے واجب نہیں۔

○ مسافر پر قربانی واجب نہیں، لیکن قربانی کے اوقات میں سفر سے واپسی ہوگئی یا کہیں پندرہ روزہ قیام کی نیت کرلی تو قربانی واجب ہوگی۔

○ - ۱۰ ذوالحجہ کی بقرعید کی نماز کے بعد سے ۱۲ ذی الحجہ کی مغرب سے پہلے تک قربانی کرنا درست ہے۔ دیہات میں فجر کی نماز کے بعد بھی قربانی درست ہے۔ قصبات کا شمار دیہات میں نہ ہوگا۔

○ - بکرا، بکری، بھیڑ نر یا مادہ کم سے کم ایک سال کا ہو، بھینس وغیرہ دو سال اور اونٹ پانچ سال سے کم کے نہ ہوں۔ خصی یعنی بدھیا جانور کی قربانی بھی درست ہے۔

○ - جنگلی جانوروں کی قربانی درست نہیں۔

○ - قربانی کا جانور صحیح سالم اور تندرست ہونا چاہئے۔

○ - بے دانت یا بے کان کے جانور کی قربانی درست نہیں، اسی طرح اگر سینگ جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں تو اس کی قربانی درست نہیں۔ اندھے، کانے یا نصف یا اس سے زیادہ کن کٹے یا نصف یا نصف سے زیادہ دم کٹے جانور کی قربانی بھی درست نہیں۔

○ - بڑے جانور بھینس، بیل، اونٹ وغیرہ میں اگر سات آدمی شریک ہوکر قربانی کریں تو درست ہے، مگر ساتوں آدمی برابر کے حصہ دار ہوں کم وبیش حصہ نہ ہو۔

○ - بڑے جانوروں میں اگر سات سے کم جیسے ۶ یا ۵ حصہ دار ہوں تب بھی درست ہے۔ ایک ہی حصہ رہے تب بھی درست ہے۔

○ - قربانی کا گوشت خود کھائے، رشتہ داروں کو کھلائے اور محتاجوں کو کھلائے بہتر ہے کہ ایک تہائی فقراء میں تقسیم کرے لیکن اگر کم خیرات کرے تو کوئی گناہ نہ ہوگا۔

○ - قربانی کی منت مانی تھی، کام پورا ہوگیا اور قربانی کی تو یہ گوشت کُل کا کُل محتاجوں کا حق ہے اس میں سے خود نہ کھائے۔

○ - کسی نے مرتے وقت وصیت کی کہ میرے مال سے قربانی کی جائے، پھر اس کے مال سے قربانی کی گئی، یہ گوشت بھی محتاجوں کا حق ہے۔

○ - کسی مردہ شخص کو ثواب پہنچانے کے لئے قربانی کی تو اس میں سے خود کھانا، دوسروں کو کھلانا سب درست ہے۔

○ - قربانی کی کھال خیرات کردیں یا اس سے کوئی استعمال کی چیز جیسے چھلنی، ڈول وغیرہ بنوالیں دونوں درست ہیں۔

○ - قربانی کی کھال اگر فروخت کردیں تو قیمت کا خیرات کرنا ضروری ہے۔ کھال کی قیمت کے وہی مستحق ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔

○ اپنی قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے۔ اگر خود ذبح کرنا نہ جانتا ہو یا ذبح نہ کرسکتا ہو تو دوسرے سے ذبح کرواسکتے ہیں لیکن بہتر ہے کہ ذبح کے وقت خود کھڑے رہیں، عورت کی اگر بے پردگی ہو تو اس کے نہ کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

○ - قربانی کرتے وقت . . . زبان سے نیت پڑھنا اور دعا پڑھنا ضروری نہیں، دل میں قربانی کی نیت ہے اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کردیا تو قربانی ہوگئی۔

قربانی کا جانور قبلہ رُخ لٹا دے تو پہلے یہ دعا پڑھے:۔

"اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ پھر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر ذبح کرے۔ اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ (اگر دوسرے کی طرف سے کر رہا ہے تو مِنِّی کے بجائے مِنْ کہہ کر اس کا نام لے۔ کئی ہوں تو سب کے نام لے) كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِیْلِكَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

عیدالاضحیٰ کی نماز

نیت (زبان سے کہے یا صرف دل میں خیال کرلے) نیت کرتا ہوں میں دو رکعت نماز عیدالاضحیٰ واجب مع زائد چھ تکبیرات کے پیچھے امام کے اللہ اکبر۔

جس طرح امام کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے اسی طرح پڑھی جائے گی، صرف فرق یہ ہے کہ پہلی رکعت میں نیت اور ثنا کے بعد امام تین تکبیریں کہے گا مقتدی بھی تین تکبیریں اس طرح کہیں کہ پہلی اور دوسری تکبیر میں ہاتھ چھوڑ دیں، تیسری تکبیر میں ہاتھ باندھ لیں اور امام کی قرأت سنیں۔ دوسری رکعت میں قرأت کے بعد امام تین تکبیریں کہے گا مقتدی بھی یہ تکبیریں کہیں اور ہر تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ دیں پھر چوتھی تکبیر پر رکوع کریں اور نماز پوری کریں۔

بعد نماز خطبہ بھی سنیں

آپ جانتے ہوں گے! ۹ر ذوالحجہ کو روزہ رکھنے کا بڑا ثواب ہے۔ اس سے ایک سال کے اگلے اور ایک سال کے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور اگر شروع چاند سے ۹ر ذوالحجہ تک برابر روزہ رکھئے تو بہت ہی بہتر ہے۔

ذوالحجہ کی ابتدائی دس راتوں کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ان بابرکت راتوں میں عبادت کا بڑا ثواب ہے، لہٰذا ان راتوں میں عبادت و دعا کا اہتمام کیجئے۔

ایک گذارش۔ اپنے قارئین کی خدمت میں!

ہم حتی الامکان تعمیر حیات کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کررہے ہیں لیکن ہمیں اس سلسلہ میں آپ کا تعاون چاہئے تاکہ ہم مزید اس کو آپ کے لئے مفید اور کارآمد بناسکیں۔

○ تعمیر حیات اہتمام کے ساتھ ڈاک کے حوالہ کردیا جاتا ہے۔ اگر ڈاک کی بدنظمی سے آپ کو پرچہ وقت پر نہ ملے تو ہمیں تحریر فرمائیں ہم دوبارہ پرچہ بھیج دیں گے۔ مگر محکمہ ڈاک سے بھی شکایت کیجئے!

○ خط وکتابت کے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں تاکہ آپ کی شکایات کے فوراً دور کیا جاسکے۔

○ تعمیر حیات کا چندہ ارسال کرتے وقت کوپن پر اپنا نام، پتہ اور خریداری نمبر ضرور تحریر فرمایا کریں۔

○ اگر آپ کا پتہ تبدیل ہوجائے تو اس کی اطلاع ہمیں ضرور دیا کریں پتہ خوش خط اور صاف انگریزی میں پن کوڈ نمبر کے ساتھ تحریر فرمایا کریں۔

○ پرچہ کے بارے میں اپنی رائے اور مفید مشوروں سے ضرور نوازیں۔

منیجر

تعمیر حیات کی توسیع اشاعت میں حصہ لیجئے!

ابوالمجاہد زاہد

اسلام

میرا گھر، میرا وطن، میرا جہاں اسلام ہے
میرا گلشن، میری شاخِ آشیاں اسلام ہے
میری رگ رگ میں لہو بن کر رواں اسلام ہے
ہاں! میری روح رواں، تاب و تواں اسلام ہے
زندگی کا اک ہمہ گیر و مکمل ضابطہ
ہے اگر کوئی تو اے اہلِ جہاں اسلام ہے
ماضی و حال اور استقبال سب کا رہنما
مذہبِ ہر دور و دینِ ہر زماں اسلام ہے
خاتمِ ہر شرعِ سابق، ناسخ الادیان، دیں
شاہراہِ جنت و بابِ جناں اسلام ہے
جا نہیں سکتی نگاہِ اشتراکیت جہاں
اس فضائے زندگی میں پرفشاں اسلام ہے
اشتراکیت تو ہے انسانیت کُش فلسفہ
آدمیت کی بہارِ بے خزاں اسلام ہے
ہے یہ پندرہویں صدی ہجری کے ماتھے پر رقم
مذہبِ مستقبلِ اہلِ جہاں اسلام ہے
ہر بشر کا حق ہے اس کے زندگی بخش آب پر
تشنہ کاموں کے لئے بحرِ رواں اسلام ہے
اس کے جلوے عام ہیں ہر ملک و ملت کے لئے
مہرِ عالم تاب ہے، نورِ جہاں اسلام ہے
یہ زمیں کیا ہے؟ دہکتا اور تپتا ریگ زار
اس زمیں پر سایۂ امن و اماں اسلام ہے
اک طویل افسانہ انعامات و احسانات کا
رحمتوں کی ایک لمبی داستاں اسلام ہے
زاہدؔ ان کو کوئی طاقت فتح کرسکتی نہیں
جن دماغوں، جن دلوں پر حکمراں اسلام ہے

دارالعلم بھٹکل

بھٹکل (این۔ کے) کے چند علم دوست احباب نے دارالعلم کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جو بیک وقت کتب کی خرید و فروخت، دارالمطالعہ اور اشاعتی ادارہ کے طور پر کام کرے گا، اس کے مقاصد عظیم ہیں مگر سرمایہ کے ساتھ اس کو وقت بھی درکار ہے، لیکن اتنی بات ضرور کہی جاسکتی ہے کہ اس کے ذریعہ تعلیم و تربیت کے کام کے ساتھ علمی و تحقیقی کام کیا جائے گا، اور اسلام و اسلامی تعلیمات کو روشناس کرانے کے لئے اس کے ذریعہ موثر قدم بھی اٹھایا جاسکتا ہے اس قسم کے اداروں سے ملت کو فائدہ پہونچے گا بلکہ اشاعت دین میں مدد ملے گی۔ اس ادارہ کے اغراض ومقاصد یہ ہیں:۔

○ ایک جدید ترین علمی و دینی مکتبہ کا قیام۔
○ معیاری اخبارات و رسائل کا اسٹال۔
○ صاحب ذوق حضرات کے لئے ایک دارالمطالعہ۔
○ ہند و بیرون ہند کے علماء و مفکرین سے ربط اور ایک واسطہ۔
○ قوم کے قدیم و جدید علمی اثاثوں کی حفاظت وطباعت کا مرکز۔
○ وقتی تقاضوں کے تحت پیدا شدہ مسائل میں قوم و ملت کے اکابر سے رہنمائی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ۔
○ بھٹکل اور اطراف بھٹکل میں دینی و ملی شعور پیدا کرنے کا ایک نظام۔
○ قوم کے مختلف اداروں اور دینی خادموں میں باہمی تعاون اور خیرخواہی کا جذبہ پیدا کرنے کی ایک راہ۔
○ قوم کے باصلاحیت اور حوصلہ مند نوجوانوں کی علمی، تصنیفی، اور دعوتی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لئے ایک موقع۔
○ باہمی اتحاد و اتفاق، حسن ظن اور اعتماد پیدا کرنے کی ایک راہ۔

دارالعلم نے اپنے مقاصد کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے ملک کے اہم علمی و دینی مکتبات سے رابطہ قائم کرلیا ہے جس میں فی الحال مندرجہ ذیل اداروں کی کتابیں دستیاب ہیں:۔

۱۔ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ ۲۔ مکتبہ الفرقان لکھنؤ
۳۔ مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۴۔ مکتبہ فردوس لکھنؤ
۵۔ مکتبہ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ ۶۔ اسلامک بک سنٹر لکھنؤ
۷۔ مکتبہ ایوب، کاکوری، لکھنؤ ۸۔ مکتبہ اشرفیہ ہردوئی
۹۔ دارالمصنفین، اعظم گڑھ ۱۰۔ ندوۃ المصنفین دہلی
۱۱۔ ادارہ اشاعت دینیات دہلی ۱۲۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی
۱۳۔ مکتبہ نعمانیہ دیوبند

اس کے علاوہ اس ادارہ نے ملک کے موقر علمی و دینی رسائل سے رابطہ قائم کیا ہے جہاں فی الوقت مندرجہ ذیل رسائل کی ایجنسی ہے۔

پندرہ روزہ "تعمیر حیات" لکھنؤ۔ ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ۔ ماہنامہ "ذکریٰ" رام پور۔ ہفت روزہ "ندائے ملت" لکھنؤ۔ ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ

پتہ

مدیر دارالعلم بھٹکل این، کے، ۵۸۱۳۲۰

نعت

ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی

جلوہ گر دنیا میں جب پیغمبرِ اعظم ہوا
بتکدوں کا نظم سارا درہم برہم ہوا

بامِ کعبہ سے جب اونچا دین کا پرچم ہوا
از زمیں تا آسماں اک نور کا عالم ہوا

نام نامی محمدؐ بھی عجب تحفہ ہے جو
جانے کتنے لادوا امراض کا مرہم ہوا

مرحبا صد مرحبا روحی فداک سیدیؐ
آپ کیا آئے علاج دیدۂ پرنم ہوا

رہنمائی کی رسول اللہؐ نے ہر گام پر
یہ کرم ہم پر برابر، مستقل پیہم ہوا

کام ہر منزل پہ آئے رحمۃ للعالمینؐ
کون ان کے ماسوا سب کا شریکِ غم ہوا

ماسوائے بارگاہ سید کون و مکاں
کب کسی کے آستاں پر سر ہمارا خم ہوا

عاصیوں پر کوثر و تسنیم کی بارش ہوئی
اور یہ سب کچھ بفیض رحمتِ عالم ہوا

میں ہی کیا جس کی بھی قسمت میں سعادت تھی طفیل
دل سے وہ حلقہ بگوشِ سیدِ عالم ہوا

بقیہ صفحہ ۱۶

حسب تقاضا ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ ایک صدی بھی نہیں گزری کہ اسکی جگہ دوسرے نصاب نے لے لی۔ اور یہ نصاب کی تبدیلی صرف کتابوں ہی کی حد تک محدود نہیں تھی بلکہ علوم وفنون میں بھی تبدیلی ہوتی رہی ہے۔

مولانا نے مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ نصاب تعلیم نمو وتبدیلی قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، وہ جامد شئی نہیں ہے اس لئے کہ اسکی تاریخ نمو وزیادتی اور تغیر وتبدل پر دلالت کرتی ہے۔

مولانا نے علمائے سلف کی کوششوں کو سراہا اور نصوص کے اختیار کرنے میں ان کی ذہانت وذکاوت اور معاملہ فہمی کو داد دی اور نصاب کو بنانے اور اسے مرتب کرنے میں ان کی وسعت نظری کا ذکر کیا اور فرمایا کہ علماء سلف کا عمل حدیث شریف کے اس ٹکڑے کے عین مطابق تھا کہ "انظر الیٰ ما قال" لیکن آج ہمارے علماء کا عمل اس سے بالکل برعکس اور متضاد معلوم ہوتا ہے اور وہ اصول سے ہٹ کر "انظر الیٰ من قال" پر عمل کرتے ہیں یعنی کہنے والے نے کیا بات کہی ہے اس کو نہیں دیکھتے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ کہنے والا کون ہے۔

آخر میں مولانا نے عام مسلمانوں سے پُرزور اپیل کی کہ وہ اسلامی تعلیم کی کامیابی کے سلسلے میں اپنی اہم ذمہ داری کو سمجھیں۔ چاہے وہ گھر کے ماحول کی اصلاح کر کے ہو، یا بازار کے ماحول کی، جہاں اور جس جگہ سے مسلم طالب علم کا گزر ہوتا ہے اسے بہتر وسازگار ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ جب مدرسہ اور گھر کے ماحول میں فرق وبُعد ہوگا، یا وہ ماحول جس میں طالب علم سانس لیتا ہے تو تنہا مدرسہ یا تنہا علم اس کی پختہ اور صحیح تربیت نہیں کر سکتے بلکہ اس متضاد ماحول سے طلباء کے اندر بھی متضاد اور متنفر کرنے والے رجحانات پیدا ہو جائیں گے۔

(باقی آئندہ)

نگرانِ اعلیٰ
مولانا ابوالعرفان ندوی

مجلس ادارت
نذر الحفیظ ندوی
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

پرنٹر، پبلشر جمیل احمد ندوی نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹرز جامع مسجد دہلی میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات، شعبۂ تعمیر وترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لئے شائع کیا۔

کاروانِ صدق وصفا

از ——— طلحہ بن ابو سلمہ ندوی

ذرا آنکھیں بند کر کے اپنے دل میں اس نقشے کا تصور کیجئے کہ ادھر مشرق سے اُدھر جنوب سے۔ ادھر مغرب سے اُدھر شمال سے ان گنت قوموں اور بے شمار ملکوں کے لوگ ہزاروں راستوں سے ایک ہی مرکز کی طرف چلے آرہے ہیں، شکلیں اور صورتیں مختلف ہیں، زبانیں مختلف ہیں مگر مرکز کے قریب ایک خاص حد پر پہونچتے ہی سب اپنے قومی لباس اُتار دیتے ہیں اور سارے کے سارے ایک ہی طرز کا سادہ یونیفارم پہن لیتے ہیں۔ "احرام" کا یہ یونیفارم پہننے کے بعد علانیہ یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ سلطان عالم اور بادشاہ زمین و آسمان کی یہ فوج جو دنیا کی ہزاروں قوموں سے بھرتی ہو کر آرہی ہے اور ایک ہی بادشاہ کی فوج ہے۔ ایک ہی اطاعت اور بندگی کا نشان ان سب پر لگا ہوا ہے ایک ہی وفاداری کے رشتے میں سب بندھے ہوئے ہیں اور ایک ہی دار السلطنت کی طرف اپنے بادشاہ کے حضور پیش ہونے کے لئے جا رہے ہیں۔

یہ یونیفارم پہنے ہوئے سپاہی جب میقات سے آگے چلتے ہیں تو ان سب کی زبانوں سے ایک ہی نعرہ بلند ہوتا ہے۔ لبیک اللّٰھم لبیک لا شریک لک لبیک۔ زبانیں سب کی مختلف ہیں مگر نعرہ سب کا ایک ہی ہے۔ پھر جوں جوں مرکز قریب آتا جاتا ہے دائرہ سمٹ کر چھوٹا ہوتا جاتا ہے۔ مختلف ملکوں کے قافلے ملتے چلے جاتے ہیں اور سب مل کر نمازیں ایک ہی طرز پر پڑھتے ہیں۔ سب کا یونیفارم ایک، سب کا ایک امام، سب کی ایک ہی حرکت سب کی ایک ہی زبان، سب اللہ اکبر کے اشارے پر اُٹھتے بیٹھتے اور رکوع وسجود کرتے ہیں اور سب ایک ہی قرآن عربی کو پڑھتے اور سنتے ہیں۔ یوں زبانوں اور قومیتوں اور وطنوں اور نسلوں کا اختلاف ٹوٹتا ہے اور یوں خدا پرستوں کی ایک عالمگیر جماعت بنتی ہے، جب یہ قافلہ ایک زبان ہو کر لبیک لبیک کے نعرے بلند کرتا ہوا چلتا ہے جب ہر بلندی اور ہر پستی پر یہی نعرہ لگتا ہے اور جب قافلوں کے ایک دوسرے سے ملنے کے وقت دونوں طرف سے یہی صدائیں اُٹھتی ہیں، جب نمازوں کے وقت اور صبح کے تڑکے میں یہی آوازیں گونجتی ہیں تو ایک عجیب فضا پیدا ہو جاتی ہے جس کے نشے میں آدمی سرشار ہو کر اپنی خودی کو بھول جاتا ہے پھر کعبے پہونچ کر تمام دنیا سے آئے ہوئے آدمیوں کا ایک لباس میں ایک مرکز کے گرد گھومنا پھر سب کا منیٰ میں کیمپ لگانا پھر سب کا عرفات کی طرف کوچ کرنا اور وہاں ایک امام سے خطبہ سننا پھر سب کا مزدلفہ میں رات کو چھاؤنی ڈالنا پھر سب کا ایک ساتھ منیٰ کی طرف پلٹ کر طواف کرنا پھر سب کا ایک ہی مرکز کے گرد نماز پڑھنا یہ اپنے اندر وہ کیفیت رکھتا ہے جس کی نظیر دنیا میں ناپید ہے۔ دنیا بھر کی قوموں سے نکلے ہوئے لوگوں کا ایک ہی مرکز میں اجتماع اور وہ بھی ایسی یک دلی و یک جہتی کے ساتھ۔ ایسی ہم خیالی اور ہم آہنگی کے ساتھ ایسے پاک جذبات، پاک مقاصد اور پاک اعمال کے ساتھ حقیقت میں اتنی بڑی نعمت ہے جو آدم کی اولاد کو اسلام کے سوا کسی نے نہیں دی۔ دنیا کی قومیں ہمیشہ ایک دوسرے سے ملتی رہی ہیں۔ مگر کس طرح! — میدان جنگ میں کیل کانٹے سے لیس یا صلح کانفرنس میں تاکہ ہر قوم دوسری قوم کے خلاف دھوکے فریب، سازش اور بے ایمانیوں کے جال پھیلائے اور دوسروں کے نقصان سے اپنا فائدہ حاصل کرے۔ تمام قوموں کے عام لوگوں کا صاف دلی کے ساتھ ملنا، نیک اخلاق اور پاک خیالات کے ساتھ ملنا، محبت اور خلوص کے ساتھ ملنا اور صرف ایک ہی دفعہ مل کر نہ رہ جانا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہر سال ایک مرکز پر اسی طرح اکٹھے ہوتے رہنا۔

کیا یہ نعمت اسلام کے سوا نوع انسان میں اور بھی کہیں ملتی ہے؟ قوموں کی دشمنیوں کے مٹانے، دنیا میں امن قائم کرنے اور لڑائی جھگڑے کے بجائے محبت، دوستی اور برادری کی فضا پیدا کرنے کے لئے اس سے بہتر نسخہ کسی نے تجویز کیا ہے۔

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ کی چند اہم اردو مطبوعات

- **نبی رحمتؐ**: پیغمبر خدا نبی رحمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ وسیرت مبارکہ جس کی ترتیب وتالیف میں قدیم وجدید معلومات وتحقیقات سے فائدہ اٹھانے کی امکانی کوشش کی گئی ہے، زمانۂ بعثت کی تصویر، معاصر دنیا، جزیرۃ العرب اور حجاز کا اہم تمدنی، سیاسی وتاریخی پس منظر — واقعات وحالات، ہدایات وتعلیمات، اور نتائج واثرات کی مستند روداد، جو ہر دور میں افراد واقوام اور نوعِ انسانی کی ہدایت ورہنمائی کی طاقت وصلاحیت سے معمور ہے۔ قیمت اردو ایڈیشن -/۳۵ انگریزی -/۴۵ روپے
- **منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین**: جس میں بنی نوع انسان اور تمدنِ انسانی پر نبوت کے احسانات، انبیاء کرام کی امتیازی خصوصیات، نبوت کے پیدا کردہ ذہن ومزاج اور طریقۂ فکر، نبوت کے تیار کردہ انسانی نمونوں، نیز نبوت محمدی کے آفاقی کارناموں اور ختم نبوت کی ضرورت واہمیت اور اس کے دور رس، عمیق اور انقلاب انگیز اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اردو ایڈیشن -/۱۲ انگریزی -/۲۵
- **مذہب وتمدن**: اس میں بتایا گیا ہے کہ کائنات، خالق کائنات اور مقصد حیات کے بارے میں صحیح عقیدہ اور صحیح علم ہی پر ایک استوار معاشرہ اور صالح تہذیب وتمدن کی عمارت قائم ہوتی ہے، دنیا اب تک جن تہذیبی ادوار سے گزر چکی ہے وہ کن عقائد، نظریات کی پیداوار تھیں اور اسلام سے کس طرح ایک صالح اور صحت مند تمدن کا وجود ہوتا ہے؟ قیمت اردو ایڈیشن -/۷ انگریزی -/۱۰
- **ارکان اربعہ**: جس میں اسلامی عبادات (نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ) کی شرعی حیثیت، دین میں ان کی اہمیت، اجتماعی زندگی میں ان کے مقام اور مقاصد، اور اسرار وحکم پر کتاب وسنت کی روشنی میں بحث کی گئی ہے، دیگر اہم مذاہب عیسائیت، یہودیت نیز ہندو مذہب سے تقابلی مطالعہ کے ساتھ۔ قیمت اردو ایڈیشن -/۲۰ انگریزی -/۲۵
- **انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر**: مولانا ندوی کی وہ شہرۂ آفاق اور انقلاب انگیز کتاب جس کے اردو، انگریزی، ترکی، فارسی اور فرانسیسی تراجم کے علاوہ صرف عربی میں تقریباً ۱۲ ایڈیشن قاہرہ، بیروت، کویت اور قطر ودمشق سے شائع ہو چکے ہیں۔ قیمت اردو ایڈیشن -/۱۸ روپے انگریزی -/۲۵

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۲۶۰۰۷

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

خدمات وضروریات

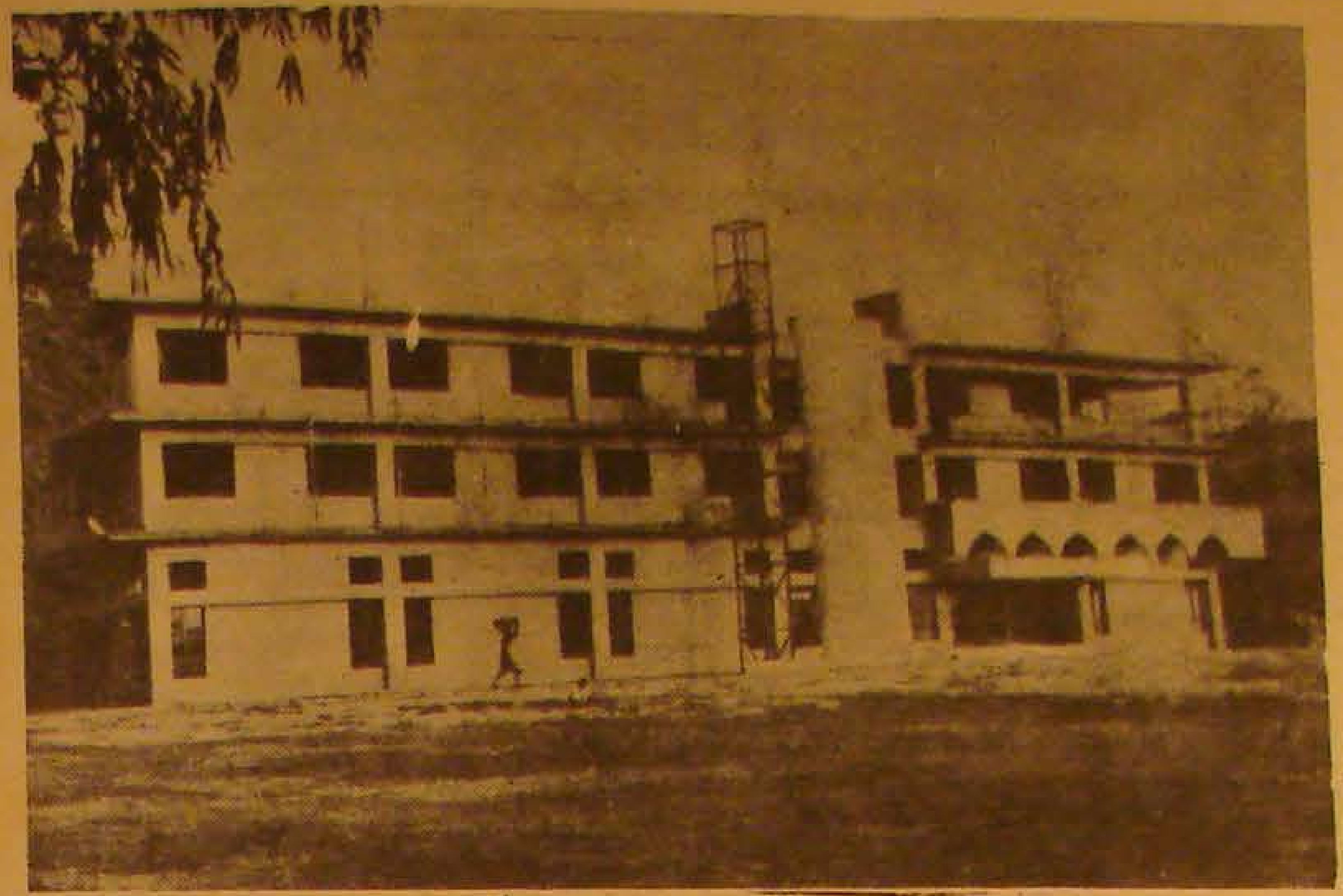

کتب خانہ ندوۃ العلماء کی جدید عمارت

دارالعلوم ندوۃ العلماء محتاج تعارف نہیں ہے، اس کے قیام کو ۹۰ برس ہو گئے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس اثناء میں اس نے گرانقدر علمی اور دینی خدمات انجام دی ہیں۔ تقریباً بائیس سال سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کی اس کی توجہ اور سرپرستی حاصل ہے، جن کے دورِ نظامت میں وہ ایک عظیم اسلامی مرکز بن گیا ہے نیز اس نے ایک بین الاقوامی دینی درسگاہ کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور دینی زندگی کے فروغ کے لئے اس کے طلبہ، اساتذہ اور کارکنان حسب توفیق کوشاں ہیں۔

اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ ملیشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، جنوبی افریقہ، ترینداد، یوگنڈا اور دوسرے ممالک کے طلبہ بھی زیر تعلیم ہیں۔ مختلف ملکوں سے برابر داخلے کی درخواستیں آتی رہتی ہیں، اللہ کے فضل سے عرب ممالک میں ندوۃ العلماء کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اور وہاں کے طلبہ میں اس کی تعلیم و تربیت سے استفادہ کی خواہش روز افزوں ہے۔ ان اسباب کی بنا پر داخلوں کی تعداد میں ہر سال غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے جس کی وجہ سے نئی اقامت گاہوں کی ضرورت پیش آ رہی ہے۔ اس کے علاوہ دارالعلوم کے مختلف شعبوں مثلاً دفاتر، لائبریری وغیرہ کے لئے علیحدہ مستقل عمارتیں درکار ہیں۔ طلبہ کی نئی اقامت گاہ "رواق اطہر" کا سنگ بنیاد ۲۱ مئی ۱۹۷۷ء کو رکھا گیا تھا، بحمد اللہ جس کا تکملہ ہو چکا ہے اور زیر استعمال ہے۔

"معہد دارالعلوم" میں باوجود وسعت کے گنجائش ختم ہو چکی ہے اور امسال کثیر تعداد میں طلبہ کو واپس کیا گیا ہے، اسی طرح دارالعلوم میں بھی بہت سے داخلے محض انہیں مجبوریوں کی بنا پر نہیں کئے جا سکے۔ یہ صورت حال ذمہ داران دارالعلوم کے لئے باعث فکر ہے، اور محض جگہ کی تنگی کی وجہ سے شائقین علم دین کو واپس کرنا نیز مقیم طلبہ کی بڑھتی ہوئی دشواریاں اور ضرورتیں ان کی فکر و بے چینی میں مزید اضافہ کا باعث ہیں، علاوہ ازیں عمارتوں اور ضروری تعلیمی سامان کی کمی کی وجہ سے بہت سے مفید علمی و دینی منصوبے پوری توجہ و یکسوئی کے محتاج رہتے ہیں۔

ہماری خواہش اور درخواست ہے کہ آپ میں سے جن حضرات کو اللہ تعالیٰ توفیق دیں اور سہولت ہو وہ اپنی تشریف آوری سے حسب موقع ہمیں سرفراز فرمائیں، خود آ کر ان نونہالان چمن کو دیکھیں، ان کی ضروریات کو سمجھیں، فی الوقت جو کام شروع کئے جا چکے ہیں یا مستقبل قریب میں فوری توجہ کے مستحق ہیں ان کی تفصیل درج ہے:-

ایک نئے ہوسٹل کی ضرورت

رواق اطہر کی تکمیل کے باوجود بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے طلباء کے قیام کے نظم میں دشواری پیدا ہو رہی ہے۔ خاص طور سے بیرونی طلبہ کے قیام کا کوئی مستقل نظم نہیں ہے۔ سرپرستوں کے قیام کی سہولت بھی موجودہ اقامت گاہوں کی تنگی کی وجہ سے ممکن نہیں ہو سکی ہے، اس کے پیش نظر چوتھی اقامت گاہ کی تعمیر کی ضرورت ہے۔

اسٹاف کوارٹرس

حضرات اساتذۂ کرام کے لئے رہائشی مکانات کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے، چنانچہ چار دو منزلہ مکانات کی تعمیر مکمل ہو گئی جو زیر استعمال ہیں، لیکن مزید مکانات کی ضرورت ہے۔

کتب خانہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کا کتب خانہ ہندوستان کے گنے چنے کتب خانوں میں سے ایک معروف و مشہور کتب خانہ سمجھا جاتا ہے، جہاں علوم سے دلچسپی رکھنے والے بیرونی ممالک کے بھی لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ یہ کتب خانہ دارالعلوم کے وسیع و عریض ہال میں عرصہ سے قائم ہے، اس کے لئے علیحدہ عمارت کی ضرورت کا عرصہ سے احساس ہو رہا تھا، بحمد اللہ کتبخانہ کی نئی عمارت کی تعمیر کا آغاز ہو گیا ہے، تین منزلیں تعمیر ہو چکی ہیں اور باقی کام ان شاء اللہ اس سال ہونے کی توقع ہے۔

رواق نعمانی مشرقی بازو

شبلی ہوسٹل میں طلبہ کی کثرت کی وجہ سے سال گزشتہ رواق نعمانی (شبلی ہوسٹل) کے مشرقی بازو کی تعمیر کا آغاز کیا گیا تھا۔ سامان کی گرانی اور نایابی کی وجہ سے حسب گنجائش کام آہستہ آہستہ ہو رہا ہے۔

توسیع مسجد دارالعلوم

دارالعلوم ندوۃ العلماء کی خوبصورت و عالیشان مسجد ابھی چند سال قبل توسیع کے مراحل سے گذر چکی ہے لیکن اب پھر طلبہ کی تعداد و نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے عرصہ سے تنگی شروع ہو گئی تھی اس لئے محراب کی سمت مزید توسیع کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ زیر تعمیر اضافہ ان شاء اللہ سہ منزلہ ہوگا اور مسجد کے مسقف حصہ کے بقدر توسیع ہو کر نماز کے لئے دوگنی گنجائش نکل آئے گی۔

شعبہ حفظ کی مجوزہ عمارت کا ماڈل جس کی تعمیر کا آغاز ہو چکا ہے

دار تحفیظ القرآن الکریم

دارالعلوم ندوۃ العلماء نے جب دارالعلوم میں شعبۂ حفظ کا افتتاح کیا تھا، اسی وقت یہ ارادہ بھی کر لیا تھا کہ اس شعبہ کے لئے علیحدہ عمارت ہو گی جس میں تعلیم کے ساتھ رہائش گاہ کا بھی نظم ہوگا اس عمارت کا بھی نقشہ منظور ہو گیا ہے۔ سال گزشتہ شیخ الجامعہ مدینہ منورہ کے ہاتھوں سنگ بنیاد رکھ دیا گیا ہے، اور اس کی تعمیر کا آغاز ماہ گذشتہ کر دیا گیا ہے۔

ڈسپنسری

طلبہ و اساتذہ کی سہولت اور اسپتالوں کی بھیڑ بھاڑ اور بے توجہی کو دیکھتے ہوئے ایک ڈسپنسری قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے جس کی تعمیر شروع ہو گئی ہے۔

پریس اور دفاتر کی عمارت

پریس اور مختلف دفاتر کے لئے علیحدہ ایک عمارت بھی عرصہ سے زیر تجویز رہی ہے تاکہ دارالعلوم کی عمارت صرف تعلیمی اغراض ہی میں استعمال ہو۔ سارے درجات اسی میں رہیں، جگہ کی تنگی کی وجہ سے جو انتشار کبھی کبھی ہو جاتا ہے وہ ختم ہو جائے، چنانچہ اس عمارت کا بھی نقشہ منظور ہو گیا ہے اور اس عمارت کی تعمیر بھی ہونا ہے۔

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس اہم ضرورت اور دارالعلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون و اعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔ آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی میں شریک تھے، ان کو یاد ہو گا کہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ نے غیر ملکی عرب مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:-

"یہ سونے کی چڑیاں سب اڑ جائیں گی، ہم اور آپ یہاں رہیں گے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی، ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں ہمارے سفیر آپ کے گھروں پر جائیں گے، آپ کے چار آنے آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں یہ جو کچھ دیں گے وہ اس دولت کا ہزارواں حصہ ہوگا جو خدا نے ان کو دیا ہے اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسینے کی کمائی ہوگی۔"

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں سے زیادہ وہ مقصد عزیز ہے جس کے لئے دارالعلوم قائم کیا گیا ہے یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی موثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری و امتیاز کا اعلان و اظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد ہمیں اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں، ہم اللہ کا نام لے کر ان میں سے متعدد اہم کام جن میں سرفہرست "توسیع مسجد" "دار تحفیظ القرآن الکریم" اور ایک عظیم الشان لائبریری کا قیام ہے (جہاں ان شاء اللہ مطالعہ بحث و تحقیق اور علمی استفادہ کا اعلیٰ انتظام ہوگا) آغاز کر رہے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل و عریض ملک کے کسی بھی علاقے کے ہوں ہماری مکرر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپنا ہی کام سمجھیں۔ ہمیں یقین اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ مولانا مدظلہٗ کی بیش قیمت و بابرکت رہنمائی و نظامت میں اگر احباب و مخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام حضرت ملک کے گوشہ گوشہ بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہونچے گا۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

(مولانا) معین اللہ ندوی　(مولانا) محب اللہ لاری ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء)　(مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء)

(جناب) مصباح الدین نقوی
(معتمد مال ندوۃ العلماء)

TAMEER-E-HAYAT
FORTNIGHTLY

Nadwatul-ulama Lucknow-226007 (India)

آپ حضرات کے علم میں ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء عالم اسلام کا ایک بڑا علمی و دینی مرکز ہے جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی سرپرستی میں بفضلہ تعالیٰ اہم دینی و علمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ بیرونی ممالک، افریقہ، ملیشیا، تھائی لینڈ، یوگنڈا، عمان، انڈونیشیا، تبت وغیرہ کے طلبہ بھی زیر تعلیم ہیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کی خوبصورت و عالیشان مسجد ابھی چند سال قبل توسیع کے مرحلہ سے گذر چکی ہے، جس میں اہل خیر حضرات نے دل کھول کر حصہ لیا تھا لیکن چند ہی برسوں میں طلبہ کی تعداد بڑھ جانے نیز جمعہ و عیدین میں قرب و جوار کے نمازیوں کی آمد کے سبب مسجد پھر بہت تنگ ہونے لگی، اکثر شامیانہ لگانا پڑتا ہے۔ باہر سے آئے ہوئے معزز مہمانوں نے بھی اس تنگی کو محسوس کر کے توسیع کی طرف متوجہ کیا مگر اس ہوش رُبا گرانی کے زمانہ میں اتنے بڑے کام کا شروع کرنا آسان نہ تھا تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے بھروسہ پر بروز جمعہ ۲ رجب ۱۴۰۱ھ مطابق ۸ رمئی سنہ ۱۹۸۱ء بوقت اشراق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دامت برکاتہم کے ہاتھوں اس مبارک کام کا آغاز کر دیا گیا۔ اللہ کے فضل و کرم سے توقع ہے کہ اپنے گھر کی توسیع کے مراحل آسان فرمائے گا، موجودہ گرانی کے دور میں یقیناً یہ ایک اہم اور بڑا کام ہے، جس کے مصارف کا تخمینہ پانچ لاکھ سے کچھ زائد ہے۔

زیر تعمیر اضافہ انشاء اللہ تین منزلہ ہوگا اور مسجد کے مسقف حصہ کے بقدر انشاء اللہ توسیع ہو کر نمازیوں کیلئے دوگنی گنجائش نکل آئے گی۔

دارالعلوم کی مسجد کی تعمیر عام مسلمانوں کے تعاون سے ہی ہوئی تھی جس میں خواتین نے بھی ہمت اور حوصلہ سے حصہ لیا تھا، امید ہے کہ اہل خیر حضرات اس مبارک کام میں فراخدلی کے ساتھ حصہ لیں گے۔

"مَنْ بَنٰی لِلّٰہِ مَسْجِداً بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتاً فِی الْجَنَّۃِ" (جس نے اللہ (کی عبادت) کے لئے مسجد بنائی اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا)۔

(جناب) مصباح الدین
(معتمد مال)

(مولانا) معین اللہ صاحب ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء)

(مولانا) محب اللہ صاحب ندوی
(مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء)

نوٹ: منی آرڈر، چیک اور ڈرافٹ بھیجنے کا پتہ: ناظم ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ندوہ، لکھنؤ